تراشیدہ

شاذ تمکنت

نیشنل بک ڈپو ۔ حیدرآباد

○

پہلی بار : ایک ہزار
سنہ اشاعت : ۱۹۶۶ء

○

خوش نویس
محمد عبد السلام

*

سرِورق
ایم۔ اے غفار آرٹسٹ

○

قیمت : پانچ روپے

○

ناشر
نیشنل بک ڈپو ۔ مچھلی کمان ۔ حیدرآباد ۔ فون : ۴۱۷۵۷

○

مطبوعہ
نیشنل فائن پرنٹنگ پریس ۔ چار کمان ۔ حیدرآباد ۔ فون : ۴۲۷۰۴

ترتیب

لطفِ خلشِ پیکاں ۷
لذتِ سنگ ۹
نیند کی وادی میں ۱۷
منظر و پس منظر ۱۹
یاد ۲۰
نارسا ۲۱
تشنگی ۲۲
کھنڈر ۲۴
شب گداز ۲۶
اے بادِ خزاں کے نرم جھونکو ۲۸
شبِ رفتہ ۳۵
خلا کی رقاصہ ۳۸
آخرِ شب ۴۰
میرا فن میری زندگی ۴۶
ایک صبح ۵۷
نغموں کی مسیحائی ۶۳
زخمی دریچے ۷۱
سالگرہ ۷۵
دیارِ نیم شبی ۷۶
آب و گل ۸۰
عہدِ وفا ۸۱
پاکیٔ داماں کی حکایت ۸۵
گہن اور دھوپ ۸۹
رقصِ ناتمام ۹۴
شہرِ وفا میں ۹۶
خرابہ ۹۹
اجنبی ۱۰۱
دوسری محبت ۱۰۴
مریم نغمہ ۱۰۸
پل صراط ۱۱۵
بے ننگ و نام ۱۱۷
رت جگا ۱۲۰
اہرمن ۱۲۱
گریزپا ۱۲۳
تاریک چراغاں ۱۲۶
آخری تمنا ۱۳۰
خلوت ۱۳۲
نوشینہ سازم ۱۳۳
نہ شبم نہ شب پرستم ۱۳۴
نژاد ۱۳۸
خوں بہا ۱۴۲
قیدِ حیات و بندِ غم ۱۴۳

ایک رات آپ نے اُمید پہ کیا رکھا ہے ۱۴۷
حیات راس نہ آئے اجل بہانہ کرے ۱۴۹
زنجیرِ گُل و لالہ چپکے سے ہلا دینا ۱۵۰
ہوسِ جلوہ نہیں ذوقِ تماشا بھی نہیں ۱۵۱
دامان و آستیں کی ضیافت نہ کر سکے ۱۵۳
حیاتِ نَو بہ نَو کے ساتھ غم ملے نئے نئے ۱۵۴
شکرِ کرم بھی شکوۂ غم بھی سارے عُنواں آپ ہوتے ۱۵۶
اے جُنوں دشت میں دیوار کہاں سے لاؤں ۱۵۷
ہُنرِ شوق کو پھر درد میں ڈھل جانے دے ۱۵۹
خارزاروں کا بھلا ہو حوصلہ دینے لگے ۱۶۱
راتیں نشیلی دِن ہیں سُہانے ۱۶۳
قِصّۂ شوق کے عُنوانِ دِل آرام گئے ۱۶۴
کِس کِس کو اب رونا ہو گا جانے کیا کیا بھول گیا ۱۶۶
نکہتِ گُل ہو پُر افشاں خلشِ خار کے ساتھ ۱۶۷
دیارِ غیر میں شاید سنبھل گئے ہوتے ۱۶۹
آہ دیکھی ہے اُتر جاتا ہے ۱۷۰
میری وحشت کا ترے شہر میں چرچا ہو گا ۱۷۱
سنبھل اے قدم کہ یہ کارگاہِ نشاط و غم ہے خبر بھی ہے ۱۷۳
رنگ اُڑتا ہوا بکھرے ہوئے گیسو تیرے ۱۷۵
خود اپنا حال دلِ مُبتلا سے کچھ نہ کہا ۱۷۷
تم گلستاں سے نہ جاؤ یہ ستم ہے دیکھو ۱۷۹
خود فریبی کا تقاضا کیا تھا ۱۸۱

وہ کامرانیاں وہ کھیل، سب نصیب کے تھے ۱۸۴
اپنی اپنی شبِ تنہائی کی تنظیم کریں ۱۸۵
ہم بھی ہشیار نہ تھے پیار بھی پاگل کی طرح ۱۸۶
پاسِ آداب سے یا حُسنِ مُروّت سے ملے ۱۸۸
کہیں بیٹھوں کہیں بہل جاؤں ۱۹۰
دشت کیا شئے ہے جُنوں کیا ہے دِوانے کے لیئے ۱۹۱
جانے والے تجھے کب دیکھ سکوں بارِ دگر ۱۹۳
وعدہ و قول و قسم نے مجھے جینے نہ دیا ۱۹۵
جس طرف جاؤں اُدھر عالمِ تنہائی ہے ۱۹۷
شمع کو نذرِ سَحر یاد کہاں کرتا ہوں ۱۹۹
رنگ لایا مرا بے برگ و نوا ہو جانا ۲۰۰
کام آساں ہو تو دشوار بنا لیتا ہوں ۲۰۲
غضب ہے یادِ تری یوں خراب حال نہ کر ۲۰۴
منظر دُھواں دُھواں ہے طبیعت اُداس ہے ۲۰۶
ایک دُنیا کی سُنا کرتا ہوں چُپ رہتا ہوں ۲۰۷
وہ کون ہے جس کی وحشت پر سُنتے ہیں کہ جنگل روتا ہے ۲۰۸
وقت بے رحم ہے لمحوں کو کُچل جائے گا ۲۰۹
کیا خبر تھی کہ ترے بعد یہ دن آئیں گے ۲۱۰
سحر و شام مری دَور کی آہٹ جیسے ۲۱۱
وہ نیاز و ناز کے مرحلے نگہ و سخن سے چلے گئے ۲۱۳
سخن رازِ نشاط و غم کا پردہ ہو ہی جاتا ہے ۲۱۵

○

تزئین و ترتیب

محمد ی شاذ

لُطفِ خلشِ پیکاں

نخچیرِ محبت کا قصّہ نہیں طُولانی
لُطفِ خلشِ پیکاں، آسودگیِ فتراک

● صیغہ واحد متکلم یُوں بھی اظہارِ انا کا ایک وسیلہ ہے اور پھر اپنے ہی فن کے بارے میں کچھ کہنا، اِس کی ساخت پرداخت اور ارتقا کے عناصرِ ترکیبی کا جائزہ لینا ایک دُشوار گزار مرحلہ ہے۔ ان چند نظموں اور غزلوں کی شاکل میری اپنی ذہنی اور رُوحانی سوانح عمریوں کی سی ہے جن کے ذریعہ میری داخلی اور خارجی زندگی اور اُس کے مظاہر کی نقاب کُشائی ہوتی ہے۔ شعر میں بہت سی باتیں اُڑتی ہوئی تتلیوں کی مانند ہوتی ہیں جنھیں چھولیں تو رنگ چھوٹنے لگیں ــــ لیکن شعر کے کنج میں یہ تتلیاں آزادانہ گھومتی پھرتی ہیں۔ مختلف نظموں اور غزلوں کی تحریک و تخلیق کے بارے میں لکھنا، جہاں قارئین کی دلچسپی کا سبب بن سکتا ہے، وہاں میرے لیئے یہ تجزیہ قیامت آفریں بھی ہے۔ اِس مجموعہ میں بعض ایسی نظمیں اور غزلیں بھی شامل ہیں جنھیں کہتے ہوئے مجھے ہوش نہ تھا کہ یہ میری داخلی اور جذباتی زندگی کی اُداس یادیں بن جائیں گی۔

یہ چند نظمیں اور غزلیں جو آپ کی نظروں کے آگے ہیں، میرے ماحول کی داخلی اور خارجی کیفیات سے لَو دے رہی ہیں۔ یہ شعرِ غمِ ذات اور غمِ کائنات کی شاعرانہ تفسیریں ہیں۔ میں غمِ ذات اور غمِ کائنات کو علیحدہ علیحدہ خانوں میں نہیں بانٹتا، بلکہ میری دانست میں غمِ ذات عبارت ہوتا ہے غمِ کائنات سے۔ ایک فرد کا غم اُس کا اپنا ہوتے ہوئے بھی دربردہ افراد کے دُکھ سُکھ کی ترجمانی کرتا ہے۔ کائنات کے خارجی موضوعات بھی اُس وقت تک کامیاب شعر کا جامہ نہیں پہن پاتے جب تک اُس میں شخصیت یا غمِ ذات کا پُٹ نہ ہو۔ اکثر خارجی نظمیں محض پروپیگنڈہ یا لایعنی وعظ اِس لیئے معلوم ہوتی ہیں کہ اُن میں شاعر کی شخصیت یا تو ہوتی ہی نہیں یا اگر ہوتی بھی ہے تو تماشائی کی سی ــــ اس طرح نظم یا غزل اپنا تاثر چھوڑے بغیر ذہن سے محو ہوجاتی ہے۔ میرا ایقان ہے کہ سچّا ادیب و شاعر وہی ہے جو اپنے جذبات کی زیریں آنچ سے

تب کہ تخلیق کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو ۔ موضوع بالذّات حقیر یا عظیم نہیں ہوتا، وہ تو لکھنے والا ہر ہر لفظ کے پیچھے جلوہ گر رہتا ہے جس سے شدّتِ احساس، تفکّر اور اظہار و بیان کی قدریں متعین ہوتی ہیں ۔

مَیں شعر کسی پیغام کی خاطر یا درس دینے کے لیئے نہیں کہتا بلکہ اِس لیئے کہتا ہوں کہ کچھ باتیں جلوت میں ممکن نہیں ہوتیں اِس لیئے خلوت کے اِنتخاب کو ناگزیر جانتا ہوں۔ اگر کوئی شاعر جو تشکیل و تعمیر کے مرحلے میں ہو اور وہ یہ کہتا ہو کہ وہ شعر کے ذریعہ محض اِصلاحِ مُلک و قوم کرتا ہے تو مجھے یہ دعویٰ ماننے میں تامّل ہوگا ۔ دیانت داری کی بات یہ ہے کہ شعر ہو یا افسانہ اوّل اوّل فن کار اپنی تسکین کے لیئے، اپنی انا کو سکون بخشنے کی خاطر تخلیق کرتا ہے، یہ بھی مُمکن ہے کہ یہ متاعِ ہُنر آخر آخر اتنی دِل پذیر ہو جائے کہ شاعر اپنے پر اہلِ دہر کا قیاس کرے ۔

اِن چند سطروں کی نوعیت اعتذار و اعتراف کی سی ہے کہ ؎

صد حیف کہ تُرش ہو گیا شہدِ خیال
الفاظ کی بوتلوں میں آتے آتے

برادرم امتیاز اس مجموعہ کی اشاعت میں میرے دستِ راست بنے رہے ۔ محبّانِ عزیز مُصحف اقبال توصیفی، ہادی رحیل اور بشیر انور کا ممنون ہوں جنھوں نے ازراہِ خلوص تعاونِ عمل فرمایا ہے ۔

میر اعظم علی ــــــ پرنٹر، پبلشر، ایم ۔ اے غفار آرٹسٹ اور محمد عبدالسلام خوشنویس نے ' تراشیدہ ' کی صُورت گری میں جس محبت اور محنت کا ثبوت دیا ہے، اُس کے لیئے مَیں سراپا سپاس ہوں ۔

شاذ تمکنت

۶۸۷ ۔ معظم پُورہ
حیدرآباد ۱
آندھرا پردیش

شاذیہؔ کے نام ـــــــ

تراشیدم، پرستیدم، شکستم

"قانُونِ بَاغبَانیِ صَحْرا نَوِشتَہ اِیم"

لذتِ سنگ

رات سنسان ہو زرد رُو چاندنی
سبز شیشوں سے چھن چھن کے آتی رہے
اوس کی آنچ سے پتّیاں جل اُٹھیں
نرم کُہرے کی ضَو جھلملاتی رہے
ایک چُپ کا سماں ہو زمیں تا فلک
خامشی لوریاں سی سُناتی رہے
ایسی ہی رات ہو، اَن کہی بات ہو
چاند ہو زرد کرنوں کی برسات ہو
مَیں بچھڑ جاؤں تم سے بہ عُذرِ سفر
طاق پر شمع آنسو بہاتی رہے

○

اور مَیں اجنبی دشت و دَر میں پھروں
کوئی مجھ سے نہ پُوچھے کہ مَیں کون ہُوں
پاؤں کی گرد کہہ دے مُسافر ہُوں مَیں
ایک تصویر ہوں ایک پتھّر ہُوں مَیں

راہ چلتے سفر میں اگر شب پڑے
آسماں نیلگوں سائباں تان دے
صبح سورج جگا دے کرن بھیج کر
لکۂ ابرِ آوارہ سایہ کرے
جھیل کا جھل جھلاتا ہوا آئینہ
مجھ کو یاد اپنا چہرہ دلاتا رہے
مَیں وہی ہوں جسے راس آتی نہیں
قربتِ پائندگی، وصل آسودگی
جو تمہیں چھوڑ کر چل پڑا ہو کہیں
جس نے سوچا نہیں تنگ ہے یہ زمیں

○

دن مہینوں میں تبدیل ہو جائیں گے
جب کڑی دھوپ کے تشنہ لمحات میں
سائے چھتنار پیڑوں کے کھو جائیں گے
رفتہ رفتہ مجھے یاد آؤ گی تم!

○

سوزنِ خار سے پاؤں کے آبلے
پھوٹ کر خونِ تازہ میں نہلائیں گے
آ پڑیں گے جراحت کے جب مرحلے
رفتہ رفتہ مجھے یاد آؤ گی تم!

جب سرِ شام میداں سُلگنے لگے
اُڑ کے طائر چلیں آشیاں کی طرف
چہچہاتے ہوئے پَر بہ پَر صَف بہ صَف
گُونجتی گُنگناتی ہوئی ڈار سے
پیچھے رَہ جائے تھک کر پرندہ کوئی
دُور چمکے اکیلا ستارہ کوئی
رفتہ رفتہ مجھے یاد آؤ گی تُم!

○

دِن مہینوں میں تبدیل ہو جائیں گے
جانے مَیں کِس طرح یاد آؤں تمہیں
یہ نہ ہو کونے کونے رُلاؤں تمہیں
جب بھی بالوں میں کنگھی اُلجھ جائے گی
جب بھی آنکھوں کو کاجل سے خوف آئے گا
بات بے بات ہم جولیوں کی بھی برمائے گی
مَیں تسلّی کے مانند یاد آؤں گا

○

کوئی ہمراز چنچل حسینہ تمہیں
دے گی آواز جب نام کو توڑ کر
تم کسی شمعِ طوفاں زدہ کی طرح

اپنے آنسو چھپا لو گی منہ موڑ کر
مَیں گھٹا بَن کے آنکھوں پہ چھا جاؤں گا

○

یُوں بھی ہو گا کہ بُوندوں کی رُت میں کبھی
مینہہ برسنے سے پہلے کی آندھی چلے
گھِر کے رَہ جاؤ تم گوشۂ کُنج میں
کنکری سی کوئی آنکھ میں جا پڑے
اور مَیں بے سبب یاد آؤں تمہیں
ریزۂ خاک بَن کر رُلاؤں تمہیں

○

اَدھ پکے پھل ٹپک جائیں گے پیڑ سے
بور جھڑ جائے گا اکھوے کُمھلائیں گے
شاخ جُھولے گی از خود بِھنچ جائے گی
پیچ رسّی کے بَرکھا میں جَل جائیں گے
اَبر کے صفحۂ سُرمگیں پر تمہیں
میرے لِکھّے ہوئے گیت یاد آئیں گے

○

یُوں بھی محسوس ہو گا تمہیں پچھلی شب
میرے نقشِ قدم چَل رہے ہیں کہیں
کوئی پَرچھائیں سی سنگِ دہلیز پر

کانپتا ہاتھ زنجیرِ دَر کے قریں
دِن مہینوں میں تبدیل ہو جائیں گے

○

اور آئے گی پھر وہ سُہانی سحر
مَیں تمہاری طرف یُوں پلٹ آؤں گا
چار سُو جیسے اعجاز آرائی ہے
گیند اُچھالی ہوئی عَرصہ خواب کی
بَن کے تعبیرِ بیدار لَوٹ آئی ہے

○

مَیں تمہاری طرف یُوں پلٹ آؤں گا
جیسے گُونجی ہوئی کوئی آواز تھا
لَب سے نِکلا مگر رَاز ہی رَاز تھا

○

مَیں تمہاری طرف یُوں پلٹ آؤں گا
جیسے بادَل کا دَل سُوئے دَریا چلے
جیسے گوکُل میں بنسی کا لَہرا چلے
دُھن میں قامت کی جس طرح سایا چلے
مَوج آواز دے اور کنارا چلے
مَیں تمہاری طرف یُوں پلٹ آؤں گا

○

جانِ شاعر، تصوّر کا یہ شہر بھی
سربسر لُطف ہے سربسر قہر بھی
کچھ خبر ہے تمہیں اے بہشتِ نظر!
یہ محبّت بھی عادت سی کیوں بن گئی

یہ وفا کا چلن جیسے بیگار ہے
دلبری بھی مُروّت سی کیوں بن گئی
لذّتِ قُرب و دیدار و گفتار بھی
ایک بے کیف راحت سی کیوں بن گئی

کوئی پُر خاش تک روز و شب سے نہیں
زندگانی اِطاعت سی کیوں بن گئی
سوچتا ہُوں یہی بِنتِ شمس و قمر
مَیں بچھڑ جاؤں تم سے بہ عُذرِ سفر!

نرم گُہرے کی ضَو جھلملاتی رہے!
طاق پر شمع آنسو بہاتی رہے!

▲

نیند کی وادی میں

نیند کے کُنج میں یادوں کے شگوفے چٹکے
کانچ کی نیلگوں چادر پہ یہ کچّے موتی
کون دَر آئی رگِ گُل کا شلُوکا پہنے
خواب کے کھیتوں میں نیلم کے نگینے بوتی

○

سیپ کی پوریں، ہتھیلی کی مُصفّا چاندی
پاؤں میں چھاگلیں تاروں کی جبیں پر مہتاب
زُلفیں بَل کھائی ہوئی بھیگ کی مخملی ہوتی رین
صندلیں باہوں کا بلّور، مژدہ، پارۂ خواب

اوس کی پیاس سے کھلتی ہوئی ہونٹوں کی کلی
رَس سے چھلکی ہوئی باتوں کی چھنکتی جھانجھن
دَہکے دَہکے ہوئے رُخساروں کے مہکے گہرے
آنکھ کی جوت میں ہے قوسِ قزح کا روغن

○

ہر بُنِ مُو سے چھلکتی ہوئی سیّال آنچیں
رام رَس ہونٹوں کا، قامت کا گلابی لہراؤ
مانگ کے سوتے میں ہے کاہکشاں کی زنجیر
دِل کے رَمنوں میں ہے شبنم کا خُنک چھڑکاؤ

○

ٹھنڈکیں تپتے چھلے پہر سینے میں لہرانے لگیں
چاند کی اوک سے چھلکا ہے سُنہرا پانی
کُندنی چہرے سے پَو پُھوٹتی ہے نیندوں میں
جِھلمِلاتی ہے شعاعوں کی سُبک پیشانی

▲

مَنظر و پس مَنظر

چمکتی دُوب کے فرشِ زمرّدیں کی آنچ
دَہکتے نجمِ سحر کی طِلائی نوکِ مژہ
رسیلی صُبحوں کے ہونٹوں کی بھینی بھینی سُگندھ
مَہکتے باغوں کی میٹھی گھنی گھنی چھاؤں
یہ وہ حسین مناظر ہیں، جن کی رعنائی
لُبھائے دِل کو، اگر نان و آب کا نشّہ
بقدرِ شوق نگاہوں میں رقص فرمائے

یاد

چاندنی راتوں میں پیڑوں کا گھنیرا سایا
پو پھٹے دور سے مسجد کی اذاں کا لہرا
ڈوبتی شام چراغوں کا جل اُٹھنا کم کم
بھیگے بھیگے ہوئے برسات کے گہرے بادل
نیم خوابی میں برستے ہوئے پانی کی صدا
دور میدانوں میں گم ہوتی ہوئی پگڈنڈی
لو سے تپتی ہوئی ویران کوئی راہ گذر
سوکھے سوکھے ہوئے جھڑتے ہوئے پتوں کی کراہ
گھر کی دیوار پہ بیٹھی ہوئی چڑیوں کی چہک

○

یہ وہ منظر ہیں جنھیں تجھ سے علاقہ تو نہیں
میں نے ان میں بھی تری یاد کی ٹیسیں بھر دیں

نارسا

چاند کے عکس کی پانی میں طلائی پھانکیں
جس طرح آئینہ میں ہیرے کی کنیاں چمکیں
نیلمیں پانی کے بہتے ہوئے پتلے فیتے
نیند کے ہاتھوں نے تعمیر کیا ہے جیسے
گھنے جنگل کہ جہاں خواب نمو پاتے ہیں
وہ ہوائیں کہ فرشتوں کے قدم آتے ہیں
کون سمجھے گا کہ اس منظرِ فطرت کا سبھاؤ
اور دہکاتا ہے بھولی ہوئی یادوں کا الاؤ

فاختاؤں کی صدائیں جو چلی آتی ہیں
میری تنہائیاں سوچوں سے لپٹ جاتی ہیں
تتلیاں اُڑتی ہیں جس طرحِ شفق کے ٹکڑے
بھونرے گاتے ہوئے کاجل کی قبائیں پہنے
رقص کرتی ہوئی چڑیوں کے سُہانے دوہے
ان کی گونجوں پہ گماں ہوتا ہے غم خواری کا
دیدنی ہے یہ سماں دِل کی طرح داری کا

○

کتنے تلخاب اُتارے ہیں تہِ کام و دہن
کتنے صحراؤں کی پہنائیاں کاٹیں مَیں نے
مُدّتوں بعد کھلا ہے یہ سُلگتا ہوا راز
رونقیں بوئی تھیں تنہائیاں کاٹیں مَیں نے

▲

تشنگی

شب کی مدھم تھکی تھکی آواز
خاطرِ جورِ ہست و بُود گداز

کتنے اشکوں کی گوٹ ٹانکے ہوئے
چاندنی کا اُداس اُداس آنچل
چاندیوں لُنج مُنج شاخوں میں
جیسے آویزاں ہو طلسمی پھل
حسرتوں کے سفید رنگوں سے
چھلکی چھلکی ہوئی ہے چرخ کی ناند
بکھرے بکھرے ہیں اس طرح تارے
ریزہ ریزہ ہوا ہو جیسے چاند

نیم شب کی زندگی زندگی بیخیں
کتنے تابوت اٹھاتی ہیں دل میں
زخمۂ سازِ آخرِ شب سے
گرتی جاتی ہیں خون کی بوندیں

○

دل کی حسرت نے کیوں خدا جانے
بے سبب تیرے نازِ غم جھیلے
جس طرح کوئی طفلکِ معصوم
اپنے سائے سے آپ ہی کھیلے

کھنڈر

سہمی ہوئی رات کا جزیرہ
سنّاٹے کی چیخ سن رہا ہے
مہتاب کا دلِ فگار کنگرہ
خاموشی کی لَو سے جل اٹھا ہے
تاروں کا اُداس اُداس جرگہ
تھک ہار کے جیسے لُٹ گیا ہے

○

لب بستہ فسردہ چاندنی میں
میداں کے سلگتے حاشیے پر
اِک اونگھتے مقبرے کے اندر
آنسو کا چراغ جل رہا ہے

محرابِ شکستِ آرزو میں
ٹوٹے ہوئے خواب سو رہے ہیں
سوکھے ہوئے التفات کے برگ
چپ چاپ پڑے کراہتے ہیں
ٹوٹی ہے سپردگی کی چھاگل
بکھری ہیں ہر ایک سمت کڑیاں
اِک چہرے کی دھوپ بام و در سے
کہتی ہے حدیثِ شامِ ہجراں
ہے بابِ اثر پہ عالمِ ہُو
زخمی ہیں دعا کے دست و بازو

○

اِستادہ ہے پاس ایک کتبہ
تحریر یہ مرتسم ہے جس پر
اللہ کرے کسی کا سہرا
تا شامِ ابد مہکتا جائے
گوندھے ہیں کسی نے زخم کے پھول

شبِ گداز

گلوئے شب میں یہ لَو دیتا چاند کا ہالہ
نیازِ عشق کا شکستہ آستاں تو نہیں
عذارِ نجم پہ خوابیدہ نقرئی غازہ
مآلِ خونِ تمنّا کی داستاں تو نہیں
یہ قلبِ زار کہیں راندۂ جہاں تو نہیں
کنارِ چرخ میں آزردہ سوچتے بادل
سفینۂ نگہ و دِل کے بادباں تو نہیں
فضا اُڑاتی ہے کُہرے کے رَسمسے آنچل
چھنک رہی ہے خلا میں سکوت کی چھاگل

○

ہنوز بام و درِ خاطرِ شکستہ میں
بَسی ہوئی ہے گُلِ التفات کی مہکار

کسی کی نرم نگاہی کی سُرمگیں کرنیں
نکھارتی ہیں مرے آنسوؤں کا رُوپ سنگھار
مَیں ایک عُمر سے ہوں سازِ درد کی جھنکار
گُلال رُخ کا، قبا کی تراشِ جسم کا راگ
نظر کے جھومتے بجرے کے اَحمریں پتوار
جبینِ تُرکِ تمنّا کا لُٹ گیا ہے سُہاگ
یہ کس کے عشق میں کھیلا ہے دِل نے خُون سے پھاگ

▲

اے بادِ خزاں کے نرم جھونکو!

یہ نرم اُداس رُت خزاں کی
شاخوں میں ہوائیں کھو گئی ہیں
نیموں کی ہمکتی ٹہنیوں سے
نمکولیاں پک کے جھڑ چکی ہیں
دہلیزِ خزاں پہ چپکے چپکے
پُروا کے ہلورے رو رہے ہیں
برگد کے مُسن بریدہ گیسو
شانے کو ترس ترس گئے ہیں
کلیوں کا مزار بن گئی ہے
شبنم کی سجل، لچکتی چلمن

ہر برگ تپیاگی بن چکا ہے
دِکھلا گئی چھب خزاں کی جوگن

○

مَیں سوچ رہا ہوں مدّتوں سے
اے آنسوؤ! تم گواہ رہنا
اُس حُسن کے خال وخط کا نغمہ
کِس وادئ غم میں کھو گیا ہے

○

آنکھوں میں ہے خوابگاہ اُسکی
کھڑکی کی جبیں پہ سبز بیلیں
کیا آج بھی پاسباں ہوں گی
کیا آج بھی اِک لجیلی ٹہنی
شیشوں سے ٹھٹک کے جھانکتی ہے

○

وہ صحن کے ننھے ننھے پودے
وہ گود کے پالے کیاریوں کی

چھتنار کی ٹھنڈکیں لٹاتے
اب جھوم کے گنگناتے ہوں گے

○

مَیں اجنبی راہ پر کھڑا ہوں
ماضی کے کھنڈر کو تک رہا ہوں
ملبے کے دھوئیں کی زُلفِ پُر خم
ہر سانس کے ساتھ گوندھتا ہوں

○

اے بادِ خزاں کے نرم جھونکو
ایوانِ نگار تک پہنچ کر
چوکھٹ پہ لُٹا کے میرے آنسو
اُس جانِ وفا سے اِتنا کہنا
بوئے تھے جو انبساط کے بیج
اب اشک کی فصل بن گئے ہیں

○

جب پیڑوں کی چھتریوں سے گزرو

شاخوں سے مِرا سلام کہنا
چڑیوں کی بلبلیں گی تم کو چہکیں
کہنا کہ وہ مُطربِ فسُردہ
مضراب کی چوٹ کھا چکا ہے
خود اپنے لہو میں بہہ رہا ہے

○

جب گزُرو گے صحن و بام و دَر سے
کچھ زخمی صَدائیں پاس آکر
پُوچھیں گی مِری تباہ حَالی
تم اُن کو گلے لگا کے کہنا
مَیں سازِ سکوت بَن گیا ہوں
آہوں سے نِباہ کر رہا ہوں

○

اے بادِ خزاں کے نرم جھونکو
اُس پیکرِ حُسن کی قبا کا
مہکار لیئے طواف کرنا

اُن آنکھوں کی پُرسکون جھیلیں
کب جانتی ہیں اتھاہ اپنی
ظُلماتِ مِژہ کو کیا خبر ہے
کیا شئے ہے متاعِ آبِ حیواں
وہ لب کہ خیالِ شیشہ سازاں
رُخسار کہ بالشِ قمر ہے

٥

اے بادِ خزاں کے نرم جھونکو
جب زُلف کے بَن میں سنسناؤ
افشاں کے ملیں گے تم کو جگنو
وہ مانگ کہ کہکشاں کا لچکا
وہ مانگ کہ ہے شفق کا زینہ
اُس مانگ کے دیپ سے یہ کہنا
تُم پَو کی رسیلی راگنی ہو
مَیں صُبح کا تارہ بن گیا ہوں
آنکھوں میں تمہاری دید کی پیاس

کس دَرد سے لیکے ڈوبتا ہوں

○

پھر تم کو مِلے گی دِل کی سرحد
آہستہ گزرنا اِس جہاں سے
یہ کانچ کا قصرِ قرمزی ہے
یہ سیج شفق کے پھول کی ہے
یہ نقرئی جوئے نغمگی ہے
مندر ہے یہ زخم کی ہنسی کا
بجتے ہیں یہاں شکست کے سنکھ
تم دیکھنا اے خزاں کے جھونکو
شائد مِرے عشق کا پروہت
جپتا ہو کہیں لہو کی مالا

○

جب گزروگے اُس کے نقشِ پا سے
سجدوں کے تمہیں نشاں مِلیں گے
اُن مِٹتے نقوش سے یہ کہنا

اب میری جبیں، جبیں نہیں ہے
اِک سنگِ مزار بن گئی ہے

○

اے بادِ خزاں کے نرم جھونکو
یہ آخری اِلتجا ہے تم سے
کہنا مِرے روز و شب سے جا کر
کیوں رُوٹھ گئے ہو مجھ سے آخر
دِل خُوں تھا گلہ گذار کب تھا
مَیں ایسا گُناہگار کب تھا

شبِ رفتہ

رات نیندوں کے شبستاں میں چھناکا سا ہوا
صبح خوابِ شبِ رفتہ کا لہو لائی ہے
دھوپ کرنوں میں پروئے ہوئے شبنم کے نگیں
پرسشِ درد کو چپ چاپ چلی آئی ہے

○

آنکھ کھلتی ہے تو پلکوں پہ چتا جلتی ہے
سانس چلتی ہے کہ خونِ رگِ حسرت کا بہاؤ
اشک آنکھوں سے ٹپک جائیں تو دامن جل جائے
دل کی دھڑکن ہے کہ صحرا میں چٹختے ہیں الاؤ

○

مَیں وہی شعلہ بہ لب زخم بہ دل خاک بسر
راندۂ شام و سحر بخیہ گرِ چاکِ جگر

کاسۂ چشمِ تہی کس کو دکھاؤں جا کر
کس سے پوچھوں کہ کہاں لٹ گئے اشکوں کے گہر
خاک ہی خاک ہوں اکسیر پکار اٹھتی ہے
مَیں فغاں کرتا ہوں تاثیر پکار اٹھتی ہے

○

رُوح اِک دشتِ ندیدہ ہے مگر پچھلے پہر
کہیں نزدیک سے رونے کی صدا آتی ہے
کانپ کر ڈوبتا ہے صُبح کا تارہ جس دم
دُور سنّاٹے میں اِک چیخ لرز جاتی ہے
اِتنا محروم ہوں تدبیر کے پَر جلتے ہیں
خواب یاد آتے ہیں تعبیر کے پَر جلتے ہیں

○

مَیں کہ بھولا نہیں وہ پیکرِ اقرار نُما
جیسے سر تا بقدم راگنی الّائی ہوئی
جُنبشِ لب ہے کہ ترشے ہوئے دِل لرزاں ہیں
رقصِ آواز کہ بہتی ہوئی چاندی کی ندی

آنکھ، جیسے کوئی جینے کی قسم دیتا ہو
گفتگو، جیسے سنوارے کوئی قسمت میری
رُخ کہ یونان کے بُت گر نے عرق ٹپکا کر
اپنے شہکار کے ہاتھ سے رواسترکا دی

○

اب بھی احساس میں دَر آتی ہے صُبحِ شبِ دید
اب بھی شعلوں کے نکلنے کا خیال آتا ہے
تنہا تنہا نظر آتا ہوں بھری دُنیا میں
آگ سی جیسے کوئی اب بھی پلا جاتا ہے
آج وہ دَرد وہ آواز کہاں سے لاؤں
پھر سے کٹ جانے کے انداز کہاں سے لاؤں

▲

خلا کی رقاصہ

عطا ہوا ہے مجھے آستانِ آدمِ نو
جبینِ شوق کے سجدوں کی آبرو کے لیے
لبوں کو چومتی ہے داستانِ آدمِ نو
دہانِ زخم چراتا ہوں گفتگو کے لیے
لہو نچوڑتا ہوں شعر کے سبو کے لیے
رہینِ دار ہوں، عظمت شناسِ انساں ہوں
رسن فریفتہ ہوں زینتِ گلو کے لیے
ستارہ بخت و سحر ساز و مہر ساماں ہوں
خوشا کہ طالعِ پیمانۂ دل پہ نازاں ہوں

○

چمن چمن ہے مرے داغ داغِ دل کا شمار
لہو کا سوز ہے زینت دہِ عذارِ گلاب
بہ طرزِ قطرۂ نیساں بہ رنگِ ابرِ بہار

دلِ صدف میں اُترتا ہوں مثلِ گوہرِ ناب
مَیں اپنی چٹکی میں تھامے ہوئے ہوں گُل کی نقاب
چُھپا تو تخم کی صُورت، اُڑا تو خوشبو ہوں
جُھکا تو شاخ کی مانند اُٹھا تو مثلِ سحاب
چمن بہ سینہ رہا ہوں زِ فیضِ جذبِ دُرُوں
ملے سحر کی غزالہ تو ایک بات کہوں

○

شفق کی سیڑھی پہ ہے تیرا خطِّ پائے حِنا
اُداس اُداس ہے رُوئے نگارِ صُبحِ وطن
گُھلا گُھلا سا ہے لالہ کی آنکھ کا کجرا
دُھواں دُھواں سی ہے رُخسارۂ چمن کی پھبن
غزالۂ سحری! مُنتظر ہیں کوہ و دمن
سنبھال تیشہ کہ پوشیدہ ہے چٹانوں میں
ہزار ہا صنمِ نَو کے قلب کی دھڑکن
اِدھر بھی دیکھ کہ ہیں ہم بھی نغمہ خوانوں میں
حصارِ رنگِ بہاراں کے پاسبانوں میں ▲

آخرِ شب

یہ ہوائیں یہ ستاروں کا سہانا سایہ
آہ یہ خنکی یہ ٹھنڈک یہ اداسی یہ گداز
تیرتی پھرتی ہے پچھلے کی رسیلی آواز
ڈالیاں اوس کی بوندوں سے لدی جاتی ہیں
چاندنی کوہ کے ماتھے سے اتر آئی ہے
یہ گھنی رات یہ مہکی ہوئی افسردہ فضا
دور تالاب کے منظر کی سلونی رنگت

فرش پر لیٹا ہوا نیل گگن ہو جیسے
یہ شبِ ماہ دعاؤں میں مگن ہو جیسے

○

سُرمئی دُھند میں لپٹا ہوا بوجھل منظر
گُل زمینوں کی خموشی میں یہ سُر یہ سرگم
یہ چٹانیں یہ تراشیدہ نگیں فطرت کے
یہ خُنک نرم ہواؤں کی چٹیلی آواز
طولِ ہجراں وہ مسیحا ہے کہ جس کے ہاتھوں
دِل کے دُکھنے کا بھی انداز بدل جاتا ہے

○

نقرئی گرد میں چُپ چاپ کھڑے ہیں اشجار
جگنو اُڑتے ہیں کہ پیلے ہوئے شعلوں کی لپک
تارے جس طرح گھنی جھاڑیوں کی گود بھریں
پھیلتی جاتی ہیں سایوں کی مقدس مہکیں
کروٹیں لیتی ہیں ہریالی کی سوندھی لپٹیں
یہ سجل رین یہ سنگیت یہ تاروں کی پھبن

کون سُن پائے گا فطرت کی زبانِ معصوم
جانے کب دیدۂ انساں میں دھنک اُتر ے گی
ذہن کے رستوں میں غنچوں کی مہک اُترے گی
اے ہری جھومتی ، اٹھلاتی زمیں کروٹ لے
دل ہر ذرّہ دھڑکتا ہے کہیں آہٹ لے

○

دُور ٹوٹے ہوئے قلعے کا پُر اسرار سکوت
خامشی سر کو جھکائے محّرابوں میں
نے کلاہِ سرِ شاہاں نہ شکوہِ اورنگ
نے گلِ نغمہ نہ آہنگ پسِ پردۂ چنگ
گنگ ہے خواجگیٔ رقص و طرب برسوں سے
خندہ زن ہے قمرِ آخرِ شب برسوں سے
نے کنیزانِ سمن فام و مسیحا نفساں
دلبراں، لالہ رخاں ، مُو کمراں ، سرو قداں
خوش دلاں ، خوش بدناں ، خوش دہناں ، خوش نظراں
مقتلِ عیش میں مصلوبِ ہوس ہو کے رہیں
گُم شدہ قافلہ کی آہِ جرس ہو کے رہیں

٥

چیختے ملبے پہ سناٹے کے قدموں کے نشاں
بھیگتی راتوں میں چپ چاپ، لہو دیتے ہیں
پاس ہی سوئے ہوئے کتبوں کے کاواک حروف
اپنے کھوئے ہوئے نقاش کو دیتے ہیں صدا
چاندنی خستہ و درماندہ کھڑی ہے خاموش

٥

دامنِ کوہ میں الغوزے کا لہرا گونجا
کوئی چرواہا دکھے دل کو لئے جاگا ہے
کتنے پُر درد ہیں سُر، کتنی حزیں ہے یہ الاپ
جس طرح چوٹیں رگِ جاں کی چمکتی جائیں

٥

چاند لچکاتا ہے، کرنوں کے چمکتے ہوئے تیر
کس سو تمبر کے رچانے کا تمنائی ہے
سہمے جنگلوں کی نیند میں ڈوبی ہوئی لے
رگِ منظر میں فضائے دلِ شب بولتی ہے

اَدھ کِھلے غُنچوں میں شبنم کی تری ڈولتی ہے
یہ فضا رس بھری کلیوں کی گرہ کھولتی ہے
یہ خُنک رات ستاروں کے گُہر رولتی ہے
سانولی چاندنی، مدماتی چھلک پڑتی ہے
ان ہواؤں میں گُلابی سی چھلک پڑتی ہے

○

ٹمٹماتی ہیں کہیں دُور چراغوں کی لَویں
رہ گُذر نیند بھری آنکھوں سے یُوں تکتی ہے
کہ پشیماں نہ ہو مہمانِ سُبک گام کوئی
وضعِ جادہ پہ نہ آئے کہیں اِلزام کوئی

○

یہ سرِ چرخ دمکتا ہوا مہتاب نہیں
رات کا ناگ ہے کاڑھے ہوئے منقّش کا پھن
گت پہ سنّاٹے کی بدمست ہوا جاتا ہے
جُھوم جُھوم اُٹھتی ہے لہرائی ہوئی چندر کرن
یہ اُوداہٹ یہ دُھندلکا یہ کسک یہ مہکار

کُندنی پنکھ سمیٹے ہوئے تاروں کے بدن
عرش کے نیلمیں پانی میں گھُلے جاتے ہیں
اوس کھائے ہوئے رُخسارِ صبا کی رنگت
پَو کا چھلکا ہوا اشفاقِ لہو ہے کہ نہیں
مہکا مہکا ہوا سونے کا دھواں چھایا ہے
قسمتِ شرقِ حسیں جاگ رہی ہے شاید
میری محبوبۂ زمیں جاگ رہی ہے شاید

▲

میرا فن میری زندگی

اے مرے فن مرے مسجود و مسیحائے جواں
تیری تخئیل کے لَو دیتے نگینوں کو سلام
تیرے الفاظ کے قدموں پہ مرے خُوں کے گُلاب
تیرے سینے کے درخشندہ دفینوں کو سلام
نذرِ حُورانِ مَعانی ہے مرا غازۂ دِل
قصرِ تشبیہ کے شاداب مکینوں کو سلام
عکس آفگن ہے یمِ فکر میں تاروں کا گُلال
منزلِ کاہکشانی کے سفینوں کو سلام

○

آج اے کعبۂ فن بارگہِ فکر و نظر

لے کے ہونٹوں پہ ترا نام چلا آیا ہوں
باندھ کر زخموں کا احرام چلا آیا ہوں

○

جز ترے کس سے کہوں قلب کی دھڑکن کا مزاج
کس کو معلوم مرے درد کی لذّت کیا ہے
کون سمجھے مری دریوزہ گری کی رفعت
کون جانے مرے کشکول کی قیمت کیا ہے

○

میری دیوانگیِ دستِ جنوں دیکھ ذرا
تارِ پیراہنِ دل تجھ کو صدا دیتے ہیں
آبلہ ہائے کفِ پا سے جل اٹھتے ہیں چراغ
دشتِ تاریک کی وسعت کو دعا دیتے ہیں

○

میرے لہجے کی کسک، میرے گلو کا خوناب
یونہی جلتا رہے بن کر تری شمعِ محراب

میرے ماتھے کی کرن ضَو فگنِ بام رہے
مُجھ پہ وارفتگیٔ شوق کا اِلزام رہے
میرے سینے کی حرارت مری آنکھوں کا نیاز
میری باتوں کی صداقت مرے لہجے کا گُداز
میرے سجدوں کی تڑپ میرے جُنوں کا انداز
میرے جینے کی تمنّا مرے مٹنے کا جواز
سب تری نذر ہے اے کعبۂ فن آنکھ اُٹھا
جانِ مَن آنکھ اُٹھا، جانِ زمن آنکھ اُٹھا

○

تیرے قصرِ طرب آہنگ کو ہو اس کی خبر
کہ ہر اک خشت میں پنہاں ہے ہزار دردِ ہُنر
عقدۂ خاطرِ ہر سنگ کُھلا ہے مُجھ پر
غرفۂ منظرِ صد رنگ کُھلا ہے مُجھ پر
تیرے فیضان سے ہر ذرّہ کو دل جانا ہے
عظمتِ آب و گِلِ دہر کو پہچانا ہے
عکسِ ہر منظرِ جاں تاب اُتارا میں نے

یوں نکھارا ترے فانوس کی دیوار کا رنگ
کتنے سیاروں کی گونجوں کا شناسائی ہوں
دیدنی ہے مری آواز کی جھنکار کا رنگ
کتنی راتوں کی دمک کتنے ستاروں کی چمک
کتنی صبحوں کی رچائی ہوئی سیّال مہک
کتنے نظّاروں کی برنائیاں تیرے دم سے
نگہِ شوق کی پہنائیاں تیرے دم سے

○

جب کرن آتی ہے پابوسئ شبنم کے لئے
جگمگا اُٹھتے ہیں وجدان کی طاقوں کے دیئے
بھری برسات کی بھرپور گھنی چھاؤں میں
دامنِ دل سے لپٹتی ہیں سنہری آنچیں
اوس پیتی ہوئی مدمست جھکا جھک بیلیں
سبز پتوں سے ٹپکتی ہوئی دھانی بوندیں
میرے سینے میں دھنک لے کے اُتر جاتی ہیں
ایک عالم کی مہک لے کے اُتر جاتی ہیں

جب کبھی ڈولتی پُروائی سنک جاتی ہے
نبضِ ادراک چھلکتی ہے دھڑک جاتی ہے
شاخیں جھکتی ہیں اُٹھائے ہوئے پھل پھول کے ناز
یہ وہ ہنگام ہے جب قلب میں آتا ہے گداز

جب کلی کھلتی ہے جب بندِ قبا کھلتے ہیں
گوہرِ منظرِ آئینِ نمو رُلتے ھیں
جب شفق اپنے ہی دامن میں لگائے ہوئے آگ
رقص کرتی ہے تو چھڑ جاتے ہیں احساس کے راگ

جب شبِ ماہ دلِ غنچہ میں دَر آتی ہے
برگ میں نُطق کی تاثیر نظر آتی ہے
مَیں نے مہتاب سرِ شاخ و شجر دیکھا ہے
پتّی پتّی پہ کفِ پائے قمر دیکھا ہے

○

رفعتِ فکر کی منزل پہ پہنچ کر اکثر
کتنے نادیدہ جہانوں کو صدا دی مَیں نے

کتنے نوخیز عناصر کو بہ عنوانِ نمو
اپنے افکار کے دامن کی ہوا دی میں نے
کتنے اذہان میں روشن کیئے فردا کے چراغ
کن مریضانِ قدامت کو شفا دی میں نے
کتنی ماؤں کے کلیجوں کو عطا کی شبنم
کتنی بہنوں کی جبینوں کو ردا دی میں نے
توڑ کر جبر کے سورج کو زِ فیضِ تنویر
دلِ ہر ذرّہ کی تقدیر جگا دی میں نے
مجھ سے دیکھی نہ گئی سادگیِ دستِ وطن
شجر و شاخِ رگِ جاں کی حنا دی میں نے
جب بھی کھلیان کے سونے کی عماری دیکھی
آدمِ نو کی صلابت کو دعا دی میں نے
جب کہیں دیکھا کسی بانکے سپاہی کا غرور
دل تو کیا روح کی پیشانی جھکا دی میں نے
ورطۂ بحر میں تھے حلقۂ صد کامِ نہنگ
سب کو قدرِ گہرِ ناب سکھا دی میں نے

○

کتنے منظر مری نظروں میں گھلے جاتے ہیں
نوکِ میزانِ بصیرت پہ تُلے جاتے ہیں
کتنے معصوم ہُمکتے ہوئے بچّوں کی ہنسی
لبِ افکار پہ چٹکاتی ہے جوہی کی کلی
کتنے تیر کانِ سمن فام کا دیکھا ہے سُبھاؤ
جگمگاتے ہوئے کنگن کا کلائی میں گھُماؤ
پردۂ فن کے لیئے رنگ چُرائے کیا کیا
یہ ایں پندارِ نظر ناز اُٹھائے کیا کیا

○

کتنی کُٹیاؤں کے سہمے ہوئے بے نُور چراغ
ہو گئے ہیں مرے افکار کی منزل کا سُراغ
کتنے سوئے ہوئے چُولھوں کا پریشاں بھوبھل
چشمِ بینائے تخیّل کا ہے کورا کاجل
کتنے ہونٹوں پہ دعاؤں کی کسک دیکھی ہے

کتنے جلتے ہوئے زخموں کی تپک دیکھی ہے
کتنی آنکھوں میں تھکی ہاری چمک دیکھی ہے
کتنے ہاتھوں میں گدائی کی جھجک دیکھی ہے

تیرے عرفان سے وہ دیدۂ بینا پایا
دولتِ زیست ملی غم کا قرینا پایا
ورنہ سوزِ دلِ بیتاب کہاں سے ملتا
شیشۂ زیست کو خوناب کہاں سے ملتا

○

آذرِ لوح و قلم نے ترا ہر پیکرِ نقش
اتنی محنت سے تراشا ہے کہ جی جانتا ہے
ہر بُنِ مُو کو زباں دی مگر اس ارماں نے
اس قدر خون رُلایا ہے کہ جی جانتا ہے
اپنا سرمایۂ جاں تجھ پہ بصد حُسنِ خُلوص
بے دریغ اتنا لُٹایا ہے کہ جی جانتا ہے
اپنا ہی چاکِ جگر اپنے ہی زخموں کا حساب
یوں نگاہوں سے چھپایا ہے کہ جی جانتا ہے

گردشِ شام و سحر نے بہ لبِ خندہ طراز
حال اس طنز سے پوچھا ہے کہ جی جانتا ہے

○

اے مرے فن اے مرے مسجود و مسیحائے جواں
تیرے پیراہنِ خونابہ فشاں کی خاطر
جستجوئے نگہِ دیدہ وراں کی خاطر
تحفۂ درد لیئے بابِ وطن تک پہنچا
میں غزالاں کے لیئے شہرِ ختن تک پہنچا
تج دیئے دیدہ و دل سوزِ نگو نذر کیا
اپنی آواز کے کاسہ میں لہو نذر کیا
خوں سے گل رنگ تھا ہر تارِ گریبانِ حیات
دیکھ کر محفلِ صاحب نظراں جھوم اٹھی
میری شام و سحرِ درد کی پہنائی پر
کتنے ہونٹوں پہ حدیثِ دگراں جھوم اٹھی
اس تفکر پہ کہ ہر سنگ ہے مسجودِ خیال
نخوتِ دیدۂ آشفتہ سراں جھوم اٹھی

رکھ دیا یُوں دلِ ہر ذرّۂ گیتی کا حساب
وسعتِ دید پہ چشمِ نگراں جھوم اُٹھی
میرے آئینۂ نغمات کی گُل کاری پر
نازشِ کارگہِ شیشہ گراں جھوم اُٹھی

پھر بھی لب تشنہ کو صہبا نہ مِلی خُم نہ مِلا
داد و تحسین تو مِلی، دانۂ گندُم نہ مِلا
سَربرہنہ کو کوئی سایۂ ایواں نہ مِلا
آبلہ پا کو کہیں فرشِ گلستاں نہ مِلا

میرے نغمات مرے شعر پہ بَن آئی ہے
دَر بہ دَر کُوچہ بہ کُوچہ مری رُسوائی ہے
مہرِ دریَینہ کو کشکول بکف ہونا تھا
دُرِ خوش آب کو مجُوبِ خزف ہونا تھا

○

اے مرے فن مرے مسجُود و مسیحائے جُنوں

لے کے ہونٹوں پہ ترا نام چلا آیا ہوں
باندھ کر زخموں کا احرام چلا آیا ہوں

○

آزمائش کی گھڑی دیکھ قریب آئی ہے
میں کہ عیسیٰ ہوں مقدّر میں صلیب آئی ہے
تیرا پَر تو مری ہستی کا نگہدار رہے
دل و جاں کو ہوسِ لذّتِ آزار رہے
اس شبِ تیرہ کو اب صُبح کا تارا دیدے
پَو کو آواز دے جینے کا سہارا دیدے

▲

ایک صُبح

سُنگیں ہوائیں مَدھ بھری
اوشا کے گھنگرو بج اُٹھے
کھنکی شَفق کی طَشتری
لہرا گجر کا جھوم کر
شبنم کے دِل میں کُھل گیا
دَوڑیں صَبا کی ہرنیاں
نافہ گلوں کا کھل گیا
چھلکی ہوئی چاندی کی ضو
پھولوں کے اَیوانوں میں ہے

پھوٹی ہوئی پَو کا لہو
سبزے کی شریانوں میں ہے

○

کلیوں کے سیپ آسودہ ہیں
سینے کے حجروں میں لیے
خوابِ شگفتن کے گہر
یہ صبحِ تازہ یہ سماں
یادِ فسردہ تو نہیں
یہ بادلوں کی سلوٹیں
رختِ دریدہ تو نہیں

○

بیتی ہوئی گھڑیاں مجھے
چپ چاپ تک کر رہ گئیں
شب تابِ بزمِ درد کی
شمعیں بھڑک کر رہ گئیں

بُوندیں لہو کی قلب سے
سَن سَن ٹپک کر رہ گئیں

○

تیری جُدائی میں کبھی
ایسے بھی گزرے روز و شب
چوکھٹ پہ گھر کی مُدّتوں
سُورج نے دستک بھی نہ دی
آنگن میں دُھوپ اُتری نہیں
صُبحوں نے پرسش بھی نہ کی

○

شاموں نے آنکھیں پھیر لیں
کاجل کے ڈورے کھو گئے
گیندا فلک پر چاند کا
کِھل کِھل کے مُرجھاتا رہا
میرے در و دیوار پر

غم کی نگہبانی رہی
صحرا کی ویرانی رہی

○

پچھلے نے جوڑا باندھ کر
نجمِ سحر گوندھے ہوئے
ہنگامِ رخصت مدّتوں
مجھ سے اجازت تک نہ لی

○

اکثر پلک پر اشکِ غم
چمکا، چمک کر بجھ گیا
تاروں نے پوچھا تک نہیں
راتوں نے دیکھا تک نہیں

○

تیری نگاہِ مہرباں
شبنم صفت کھوئی ہوئی
آزردہ قامت کی پھبن

افسردہ ہر عضوِ بدن
رگ رگ خمار آلودیوں
نیندوں کے جھونکوں کا سماں
منظر دھنک کے کھیت کا
چٹخائے جیسے انگلیاں
پلکوں کے بھاری پن پہ تھا
کتنی دعاؤں کا گماں
آنکھوں میں سہتے جوگ کے
لب احمریں آتشکدے

O

دیوارِ دل سے یاد کے
سائے اُتر کر رہ گئے
موتی تری گفتار کے
چھن چھن بکھر کر رہ گئے

O

یادش بخیر، اک وقت تھا

نَم آستیں تقدیر تھی
لیکن بہ ایں رنج و اَلَم
سو غم کی راتیں اِک طرف
اِک صُبحِ نَو مشعل بکف
جیسے مُداوا بَن گئی
میرا مسیحا بَن گئی

▲

نغموں کی مسیحائی

سوچتا ہوں کہ بیتے ہوئے روز و شب
کیوں تجھے اِک عُمر تک تشنہ کام طلب
زندگی اجنبی موت بھی اجنبی
مَیں نے کاٹے ہیں ایسے شب و روز بھی
مُجھ پہ پیغامِ شام و سحر بند تھے
بابِ لُطفِ مسیح و خضر بند تھے
میرے سُورج کے دامن میں کرنیں نہ تھیں
میرے مہتاب کے دِل میں آنچیں نہ تھیں
تشنگی نا اُمیدِ لبِ جام تھی
جُنبشِ ہر نفس ایک الزام تھی
صُبح کی کمسنی شام کی دِلبری
رفتہ رفتہ یہ دولت بھی لُٹتی گئی

مجھ سے اشکوں کی زنجیر تک چھن گئی

بخت خفتہ کی تحریر تک چھن گئی

خواب کی دیوی قشقہ لگاتی رہی

اور تعبیر خوں میں نہاتی رہی

آندھیاں دل کے صحرا میں اٹھتی رہیں

دھجیاں میرے دامن کی قسمت بنیں

دل بگولے کی صورت بھٹکتا رہا

نافۂ درد بن کر مہکتا رہا

زیست کی ساعتیں نیشتر ہو گئیں

میری رسوائیاں دربدر ہو گئیں

یک بہ یک وادیِ دل میں آہٹ ملی

سازِ احساس کو گنگناہٹ ملی

ایک دستک کی آواز بڑھتی گئی

صورتِ شعلۂ ساز بڑھتی گئی

پردۂ ذہن پر میں نے محسوس کی

ایک چمکیلی، بہتی ہوئی راگنی

چاپ نغمات کی سرسراتی گئی
میری رگ رگ میں شمعیں جلاتی گئی

یک زباں ہو کے نغموں نے مجھ سے کہا
سُن شہیدِ ستم ہائے صُبح و مسا

ہم ترے چاکِ داماں کے ہیں بخیہ گر
ہم ہیں تیرے مسیحا ترے چارہ گر

تیرے فانُوسِ خاطر میں شعلہ ہیں ہم
مُو بہ مُو صُورتِ جوشِ صہبا ہیں ہم

ہم فضاؤں میں پھیلے تو آتش بجاں
صُورتِ رعد ہیں بادلوں میں رواں

ہم گھٹاؤں میں رچ کر گہر بار ہیں
فصلِ باراں میں بُوندوں کی جھنکار ہیں

بن کے للکار کوہ و کمر کاٹ دیں
تُندسیلِ رواں کا جگر کاٹ دیں

برگِ گُل ہائے نازک کو جھنکار دیں
پتھروں کو بھی اعجازِ گُفتار دیں

ہم کبھی لحنِ بادِ صبا بن گئے
قمریوں کی سُریلی صدا بن گئے
راگ بن کر سرِ صحنِ گلشن ملے
بند کلیوں کو وقتِ شگفتن ملے
طائروں کے گلو میں پرافشاں رہے
سینۂ ساز میں حشر ساماں رہے
آبشاروں کے لب پر ترانہ بنے
موج در موج چنگ و چغانہ بنے
ہم چمن در چمن راز در راز ہیں
ہم کلی کے چٹکنے کی آواز ہیں
رفعتِ فکر کے آفریدہ ہیں ہم
صورتِ غنچۂ نو دمیدہ ہیں ہم
تو ہمیں درسِ عزمِ تگ و تاز دے
طائرِ شوق کو اذنِ پرواز دے
تو ہمیں اپنا سوزِ نہاں نذر کر
خونِ احساس کا ارمغاں نذر کر

اپنی تخئیل کا پیرہن بخش دے
اپنا سرمایۂ جان و تن بخش دے
مرغزاروں کی رنگت عطا کر ہمیں
کوہساروں کی رفعت عطا کر ہمیں
اگری شام کی خامشی سونپ دے
چودھویں رات کی چاندنی سونپ دے
شوکتی ندیوں کا سماں بخش دے
کوکتی کوئلوں کی زباں بخش دے
شاخ کا لوچ کونپل کی دوشیزگی
پھول کی باس شبنم کی تابندگی
دے ہمارے لبوں کو مٹھاس اوس کی
نم ہواؤں کی مہکی ہوئی تازگی
بوئے گل کی طرح کر چمن آشنا
سنبل و سوسن و نسترن آشنا
تو بتا دے شفق کی مئے احمریں
کیا جبینِ قمر کا عرق تو نہیں

ابرِ رنگیں کہیں خواب پارے نہ ہوں
جھرنے نیندوں کے سیّال دھارے نہ ہوں
بھونرا اِک پُرفشاں لیلیٰ نغمہ نہ ہو
جگنو آوازِ فطرت کا شعلہ نہ ہو
کس لیئے زخم لالے کے بھرتے نہیں
پُھول مُرجھا کے فریاد کرتے نہیں
ریگ زاروں پہ پھیلی ہوئی سیپیاں
ابرِ نیساں سے کیوں ہیں شکایت کناں
فاش کر ہم پہ رازِ حیات و ممات
زہر کیا چیز ہے، کیا ہے قند و نبات
فرشِ مقتل سے اُٹھتا ہے شورِ جنوں
ہم سے کیا کہہ رہا ہے صلیبوں کا خُوں
ہم سے کیا کہہ رہی ہے زنگار زمیں
ہر خمِ زُلفِ گیتی ہے عصر آفریں
چاکِ دامن کا اعزاز کیا چیز ہے
طوقِ آہن کا اعزاز کیا چیز ہے

کیسے کیسے نکھرتی ہے تابِ سخن
تنگ ہوتے ہیں جب حلقہ ہائے رسن
آب و گل میں نمو کی حرارت ہے کیا
ذرّہ ذرّہ میں پوشیدہ دولت ہے کیا
نبضِ آہن کی دھڑکن کا کیا راز ہے
آسماں بوس خرمن کا کیا راز ہے
دشت و صحرا میں کیوں بوئے گلزار ہے
کیا کفِ آدمِ نو حنا بار ہے
گت پہ صدیوں کی ہے رقصِ سیارگاں
کون سا راگ چھیڑے گا عصرِ رواں
لمحۂ عصرِ نو کیوں قرن ساز ہے
قصرِ امروز میں کس کی آواز ہے
گردشِ خوں رگِ سنگ میں تیز ہے
کس طرح ضربِ تیشہ صنم خیز ہے
شاعرِ خوش نوا رہبرِ زادِ زمیں
تیرا معمورۂ فکر تنہا نہیں

کتنے نغموں کی پیغمبری ساتھ ہے

ساحری ساتھ ہے داوری ساتھ ہے

آنکھ تیری ہے رمز آشنائے دروں

تیرے ساغر میں ہے آفتابوں کا خوں

تیرا دستِ رسا کہکشاں گیر ہے

خاک بھی تیری مٹھی میں اکسیر ہے

تیرے دل میں مثالِ صداقت ہیں ہم

طالعِ صبحِ نو کی بشارت ہیں ہم

▲

زخمی دریچے

پھر وہی نیم شبی پھر وہی آغازِ خلش
اب مگر بارِ طرب غم سے کہاں اُٹھتا ہے
طاقِ دل دیکھ پسِ گرمیِ بزمِ خوباں
کیسے پگھلی ہوئی شمعوں سے دھواں اُٹھتا ہے

○

کِس نے دیکھا ہے مرے پچھلے پہر کا ہنگام
کون جانے مرے مہتاب پہ کیا گزری ہے
میرے تاروں پہ سرِ چرخِ الم کیا بیتی
میرے بام و در و محراب پہ کیا گزری ہے

مری ٹوٹی ہوئی نیندیں، مرے بکھرے ہوئے خواب

میری راتوں کا مقدّر، مری صبحوں کا عذاب

○

رات خاموش، فلک گنگ، ستارے چپ چاپ

صحن خوابیدہ، شجر سرد، ہوائیں مبہوت

آنکھ نمناک، نظر چور، نظارے چپ چاپ

آہِ دل، اذنِ بقا مانگ رہی ہو جیسے

میری تنہائی دعا مانگ رہی ہو جیسے

○

سرِ دیوار لچکتی ہوئی بیلیں چپ ہیں

مدّتیں بیت گئیں گل ہوئے پھولوں کے چراغ

میری راتوں کو میسّر تھے رسولوں کے چراغ

○

روز ٹوٹے ہوئے پتّوں کی صدا آتی ہے

روز آنگن کی زمیں جیسے دہک جاتی ہے

ٹوٹے پتّوں کو سرِ شاخ سجانے کی لگن
اپنے رُوٹھے ہوئے پیڑوں کو منانے کی لگن
جانے کیا وہم ہے ٹُوٹے دیے اٹھتا ہے لو ہر بُنِ مُو
میری گردن پہ نہ ہو برگِ چکیدہ کا لہُو

○

سخت ہے مجھ پہ تقاضائے شب و روزِ جنوں
قرض ہے مہر کی کرنوں کا مری صبحوں پر
میرے دامن پہ جھلکتا ہے شبِ ماہ کا خوں

○

سوچتا ہوں کہ کہیں زہر نہ دے بادۂ صُبح
ہر شبِ غم کی نگاہوں میں ہے اندیشۂ صُبح

○

کورے مٹّی کے پیالے کی طرح نیل گگن
رات کے چاک سے جس وقت نکل آئے گا
پارۂ برفِ طلا فام کی مانند قمر
جب شفق رنگ جزیروں میں پگھل جائے گا

شَست باندھے ہوئے سُورج کی کرن آئیگی

پھر سے ہو جائیں گے دروازوں کے شیشے زخمی

میرا کمرہ، میرے کمرے کے دریچے زخمی

▲

سالگرہ

یہ ذوقِ سفر یہ گردِ ایّام
صحرا کا یہ خواب گُوں دُھندلکا
لالہ کا چراغ تک نہیں ہے
خوابیدہ اُداس اُداس منظر
سُورج کو منا رہا ہے کب سے

یہ دولتِ زادِ راہ کیا ہے
دُکھتے ہوئے آبلوں کی سُرخی
بے مہر ببُول کی رفاقت
ڈستی ہوئی ریت کی خموشی

کس موڑ پہ ہے بہارِ زرّیں
کس راہ پہ کُنجِ نسترن ہے
کس سمت ہے جُوئے آبِ نوشیں
کوئی تو بتا دے اب خدارا
بائیس برس گزر چُکے ہیں

دیارِ نیم شبی

دیارِ نیم شبی جلوہ گاہِ دردونشاط
ترے سوادِ فلک تیرے ماہتاب کی خیر
تری فضا میں رچی ہے اُداسیوں کی مہک
ترے نجوم کے بیدار اضطراب کی خیر
ملی ہے دولتِ چشمِ پُر آب بہرِ نگاہ
دلِ نظارہ ترے دردِ بے حساب کی خیر

○

یہ خواب ساز فضا یہ دُھلا دُھلا منظر
گلاب زاروں پہ رُلتے ہیں شبنموں کے گہر

لچکتی ڈالیاں تر دامنی سے بوجھل ہیں
طراوتوں کی نقاب افگنی سے بوجھل ہیں

○

خمیدہ، نرم، ہری پتّیوں کے ریشوں میں
تمام پگھلی ہوئی آگ کی ہیں قندیلیں
رسیلی، مدبھری خاموشیوں کی مست الاپ
یہ راگنی یہ قمر کے سنہرے پاؤں کی چاپ
یہ دشتِ چرخ یہ بنجارے ابر پاروں کے
یہ سوتے جاگتے ارماں مدھر ملاروں کے
نداسی شب کی نگاہوں کا یہ سہانا پن
یہ چنچلی یہ سجل روپ یہ کنوارا پن

○

دیارِ نیم شبی جلوہ گاہِ درد و نشاط
غریبِ شہرِ شبِ ماہ کو سہارا دے

بُھلا چکے ہیں مجھے تیرے ماہتاب و نجوم
اب اُن کو یاد نہیں دردِ خاطرِ معصوم
مَیں نغمۂ ساز ہوں پہچان لے مری آواز
وہی کسک ہے وہی ہے لٹا لُٹا انداز
وہی لبوں پہ دُعاؤں کے خون کا اِلزام
پلک پلک پہ وہی تہمتِ چراغاں ہے
وہی ہے حب پہ نشتر کے ٹوٹنے کا گماں
نباہنے کا وہی زندگی سے پیماں ہے

○

مَیں آج ڈھونڈھ رہا ہوں خرابۂ دِل میں
حنا بدست، گُل اندام، صندلیں پیکر
لگاوٹوں میں نہاں حسرتِ شکیبائی
قبا سے لپٹی ہوئی نکہتِ شناسائی
کسی کا قُرب، فقط دردِ آشنائی ہے
بس اِک خلش ہے کسی کی نظر، کچھ اور نہیں
یہی کہا ہے شبِ التفات نے مجھ سے

کہ نوکِ نشترِ غم ہے سحر کچھ اور نہیں
کسی کے لطف کے باوصف مَیں نے جانا ہے
نصیبِ عشق بجز چشمِ تر کچھ اور نہیں

○

دیارِ نیم شبی سُن یہ مژدۂ خُوں رنگ
کہ اب تو یادوں کی اگلی سی شعلگی بھی نہیں
نہ رتجگوں کا جنوں ہے نہ آنسوؤں کا ہجوم
سحر کے ڈوبتے تاروں سے دوستی بھی نہیں
شکستگیٔ دل و جاں کا رنج کیا ہو گا
جو سچ کہوں تو کچھ ایسی مجھے خوشی بھی نہیں

○

دیارِ نیم شبی جلوہ گاہِ درد و نشاط
وہ میرے خواب وہ میری وفائیں لوٹا دے
مجھے وہ زود پشیماں دعائیں لوٹا دے

▲

آب و گل

مجھے یاد پڑتا ہے اِک عُمر گزری
لگاوٹ کی شبنم میں لہجہ ڈبو کر
کوئی مجھ کو آواز دیتا تھا اکثر،
بُلاوے کی معصومیت کے سہارے
میں آہستہ آہستہ پہنچا یہاں تک
بہ ہر سمت انبوہِ آوارگاں تھا
بڑے چاؤ سے میں نے اِک اِک سے پوچھا
"کہو کیا تم ہی نے پکارا تھا مجھ کو
کہو کیا تم ہی نے پکارا تھا مجھ کو"
مگر مجھ سے انبوہِ آوارگاں نے
ہراساں ہراساں پریشاں پریشاں
کہا صرف اِتنا "نہیں وہ نہیں ہم
ہمیں بھی بُلا کر کوئی چھپ گیا ہے"
▲

عہدِ وفا

نذرِ یارانِ علی گڑھ

وطن کی شام غریبِ وطن پہ بھاری ہے
دیارِ شوق سے آیا ہے نکہتوں کا پیام
فضا پہ آج مسیحا نفس کا دھوکہ ہے
دکھی ہواؤں کا انداز مریمی ہے تمام
شجر شجر کا یہ سنگھار یہ دلآویزی
ہوئے ہیں سایہ فگن مجھ پہ شاخِ گل کے خیام
ابھر رہا ہے رفیقوں کا ایک اک چہرہ
حیات جیسے گلے مل رہی ہو نام بہ نام
نظر میں رنگ، مژہ پر کرن، جبیں پہ سحر
یہ کون بھیجتا ہے مجھ پہ مہر و مہ کے سلام

سلام تم پہ رفیقانِ مہر و ماہ پناہ
مرے اندھیرے اُجالے مہکتے جاتے ہیں
تمہارے دم سے مِلی ہے شفق کی نامہ بری
قدم نگارِ سحر کے بہکتے جاتے ہیں
مری نگاہ کے سرشار خواب گوں ارماں
خیالِ ہم نفساں سے چھلکتے جاتے ہیں
مرے سواد کے شیشے ہیں زیرِ شفقتِ سنگ
جو التفاتِ گراں سے دھڑکتے جاتے ہیں
مَیں کیا کہوں در و دیوار کی دہائی ہے
لہو کے قطرے جبیں سے ٹپکتے جاتے ہیں

مرا دیار مری خواب گاہِ ارماں ہے
بقدرِ شوق یہاں لطفِ رنگ و بُو بھی نہیں
مَیں دل کی آگ سے دامن جلا چکا کب کا
مرے نصیب کہ کوئی شرارہ جُو بھی نہیں
کسے سناؤں کہ میری نوا ہے بانگِ رحیل
کہ قدردانیٔ خوں تابہ گلو بھی نہیں

یہاں اُٹھائے ہیں میں نے عذابِ جنسِ ہنر

وہ اشک ہو کہ گہر پاسِ آبرو بھی نہیں

یہاں ملی ہے مجھے ناموسِ آستیں کی سزا

کہ آج دامنِ دل لایقِ رفو بھی نہیں

مگر سنبھال کے رکھی ہے میں نے آبِ نگاہ

کہ جس کی چھوٹ نظاروں کی مانگ بھرتی ہے

دلِ گداز، بھرے بادلوں کی کیفیت

کہ جس سے شام و سحر پر پھوار گرتی ہے

جواں ہیں وحشتیں ارماں کے برگ نینوں کی

یہ ڈار آس کی وادی میں روز اُترتی ہے

بندھے ہوئے ہیں اُمنگوں کے پاؤں میں گھنگرو

چہکتی گاتی ہوئی نغمگی بکھرتی ہے

تصورات کی دیوی سدا سہاگن ہے

کہ رنگ رنگ جزیروں میں پاؤں دھرتی ہے

یہ دل کہ ہے روشِ خوش خرامیٔ یاراں

ز فیضِ روشنیٔ طبع لالہ کار رہے

شبِ سیاہ چراغوں کی لَو بڑھائے ہوئے

دُعا بہ لَب ہوں کہ سُورج پہ اعتبار رہے

شُعاعِ مہر سے ہوتے ہیں روز قول و قرار

کہ شبنمِ گُلِ اُمید تاب دار رہے

صَدا دو مجھ کو تمہاری صَدائیں ہیں مہمیز

کہ پائے شوق کو منزل پہ اختیار رہے

تمہارے خُلد کی چَوکھٹ پہ میرا نقشِ جبیں

جُنوں وقار رہے دَرد آشکار رہے

▲

پاکیٔ داماں کی حکایت

شاذ کیوں چُپ ہو یہ آشفتہ سَری کیسی ہے
تم تو کہتے تھے کہ بیتے ہوئے ایّام کی یاد
جب بھی آئے گی بہاروں میں چھپی آئے گی
سات رنگوں کی عماری میں چلی آئے گی
چاند سُورج کے کہاروں پہ سجی آئے گی
پھر یہ دُکھ کیا ہے یہ دامن کی تری کیسی ہے
مُسکرادو کہ کریں دیدگے ہنگام کی یاد
کم نہیں نشّہ سے کچھ دُردِ تہِ جام کی یاد

یُوں نہ اندھیر کرو، یُوں نہ مِٹاؤ خود کو
بارِ تنہائی بھلا کس نے اُٹھایا ہوگا

ایسے پاگل نہ بنو پیار کی سوگند تمھیں
اوّلیں درد کے اقرار کی سوگند تمھیں
میرے اُجڑے ہوئے سنگھار کی سوگند تمھیں

کس نے اِس طرح محبّت کو نبھایا ہوگا

دیکھو ہر موڑ پہ اب یُوں نہ لُٹاؤ خود کو
میری خاطر سہی جینا بھی سکھاؤ خود کو

کچھ تو بولو مجھے سو طرح کے وہم آتے ہیں
تم کبھی اِتنے کٹھور آج سے پہلے تو نہ تھے

تُم یہ سوچو تو سہی کوئی غمیں اور بھی ہے
آگ دہکی ہوئی سینے میں کہیں اور بھی ہے
اس شوالے میں اِک آزُردہ مکیں اور بھی ہے
مجھ سے رُوٹھے تھے مگر آپ سے رُوٹھے تو نہ تھے

کیا ہوا تم کو مرے تیر چُبھے جاتے ہیں
روز و شب درد کی بیداد پہ تھرّاتے ہیں

بور کی رُت ہے ہری کونپلیں رَس لائی ہیں

بادل اَن جان ہیں لائے ہیں مِلن کے سپنے

دیر سے آیا ہے موسم کا سلونا پیغام

مان لو کہتی ہوں، بَس اب نہ جپو میرا نام

مِرے زرتشت مری آگ کی پُوجا ہے حَرام

پاپ کی طرح ڈسے جاتے ہیں مَن کے سپنے

کیسی تاریکیاں احساس پہ مَنڈلائی تھیں

کتنی راتیں مری پرستش کو چلی آئی تھیں

مُجھ میں کب تاب ہے کس مُنہ سے دلاسہ دُوں گی

تم مجھے پا نہ سکو، میں تمہیں اَپنا نہ سکُوں

لاکھ ارمان کہ سینے سے لگائے کوئی
مانگ موتی سے بھرے کنگنا پہنائے کوئی
بے سبب روٹھوں تو بے بات منائے کوئی

کیسی یہ شمعِ تصوّر ہے کہ پگھلا نہ سکوں
سوچتی ہوں تمہیں آنسو کے سوا کیا دوں گی
کیا میں اپنی ہی تمنّاؤں کو پرسہ دوں گی

▲

گہن اور دھوپ

مُجھے مرنے کا سودا بھی نہیں اے گردشِ دوراں
مَیں گھر کر رہ گیا ہوں زندگی کے خارزاروں میں

○

مُجھے جب بھی رُلاتی ہے مری آشفتہ سامانی
خیال آتا ہے شاید مَیں اَزل کے گرم ہونٹوں پر
مُحبّت کا پیامِ حرفِ سادہ بن کے اُبھرا تھا
تمہارے واسطے بھیجا گیا تھا، مَیں تمہارا تھا
مگر تم سُن نہ پائے اور مَیں آوارہ و رُسوا
خلا کی اجنبی پہنائیوں میں پرشکستہ ہُوں
مُجھے تسلیم ہے اپنا مقدّر اپنی محرُومی
اگر ہونا تھا آوازِ پریشاں میری قسمت میں
تو مَیں صوتِ جرس میں ڈوب کر منزل نشاں ہوتا

دلوں کی ہوک آنکھوں کی دُعا بن کر بھٹک جاتا
غرض رُسوائیوں کو اِک جوازِ رائیگاں ملتا

○

مرے حصّے میں آئی باغبانی دشت و صحرا کی
مرا خرمن ہے خار و خس مرا حاصل بگولے ہیں
سرابوں کے چمکتے آئینے پھیلا دیئے کس نے
کہ جب بھی زندگانی اپنا چہرہ دیکھ لیتی ہے
تو میرے چاند سورج مجھ پہ سو الزام دھرتے ہیں
مگر اب تک ببولوں کے تلے مجھ آبلہ پا نے
خدا رکھے نہیں سیکھا سلیقہ شکر کرنے کا

○

بگولے حادثوں کے چلچلاتی دھوپ دوراں کی
یہیں سینوں کے ننھے ننھے بالک سر برہنہ ہیں
کہ جن کی کمسنی کو گھٹنیوں چلنا نہیں آتا
یہی سب کچھ متاعِ جان و دل ہے جس کے صدقے میں
چٹک شعلوں کی غنچوں کی چٹک محسوس ہوتی ہے

○

مرے جی میں ہے برسوں سے لہو کا پیرہن بدلے
کہیں اب زخمِ دل کے مندمل ہونے کا وقت آئے
مجھے بھی زندگی کو، زندگی کہنے کا ارماں ہے
مجھے بھی کوئی سُن پائے کہ میں حرفِ محبّت ہوں
مرے دِل کو بھی خوش آتے ہیں آب و گِل کے ہنگامے
مجھے محبوب ہیں سانسوں کے میلے خاک کے پُتلے
دِلوں کی دھڑکنیں، ہاتھوں کی گرمی، پیار کی باتیں
ہزاروں اجنبی آنکھوں کی دِل افروز سوغاتیں
مجھے جی سے پسند آتی ہے صُبح و شام کی دیوی
چرن چُھونے کا ارماں آرتی بندھن کی حسرت ہے
لُبھاتی ہے مجھے دہلیزِ فطرت کی جبیں سائی
اُترتی ہے گگن سے اوس جب پھُولوں کے تختوں پر
مجھے اِک آنچ سی محسوس ہوتی ہے طراوت سے
نشیبوں کے چھلکتے پانیوں کے نیلے زینوں پر
مرے احساس نے دُھومیں مچائیں رنگ اُچھالے ہیں

زمانہ کاش نظارے کی فرصت دے تو سمجھاؤں
سرِ صحنِ چمن بادِ صبا کی نرم آہٹ پر
قبائے گُل کا تکمہ ٹوٹتا ہے کس نزاکت سے
کبھی جی چاہتا ہے اُڑ کے پہنچوں چاند کے در تک
لگا کر اُس کو سینے سے کہوں "او بے وفا اب چل
بہت روٹھا رہا اب مَن بھی جا دل میں اندھیرا ہے"
کبھی جی چاہتا ہے پَو پھٹے مشرق کی وادی میں
اُتر کر دُور سے سُورج کو دوں آواز اور پُوچھوں
"کہو تم نے مجھے جانا بھی ہے میں کون ہوں کیا ہوں!
بِجے صُبحِ ازل مسجودِ فطرت تم نے مانا تھا
مگر تم نے کبھی میرے دریچوں سے نہیں جھانکا
مُجھے کہنا تھا تُم سے مَیں اُسی ٹُوٹے ہوئے گھر میں
ابھی تک جی رہا ہوں اور جینے کی تمنا ہے
سحر آتی تو ہے گھر کی پشیمانی نہیں جاتی
بہت دن ہو گئے طاقوں کی ویرانی نہیں جاتی
تمھیں ہر روز کرنوں کا سندیسہ لے کے آنا ہے

تمھیں ہر صبح سونے کا اُجالا بن کے چھانا ہے"

○

تصوّر نے بسا رکھے ہیں دل میں سینکڑوں قریے
نئی قلمیں لگا رکھی ہیں اُن کی سبز مٹّی میں
مَیں اکثر سوچتا ہوں کوئی چُپکے سے اِدھر آئے
مجھے اُن جان سا پاکر، مِری ویران آنکھوں پر
وہ اپنی نرم و نازک نور آسا اُنگلیاں رکھ دے
بصد انداز پُوچھے "مجھ کو پہچانو مِرے شاعر"
تو مَیں ہنس کر کہوں "اب تک تمہارا منتظر تھا مَیں
بس اب آجاؤ میرے سامنے تم صبحِ فردا ہو"

▲

رقصِ ناتمام

خواب کا شہر جل گیا کل رات
نیند کے زخم آئے ہیں کیا کیا
آنسوؤں کی تھکی تھکی فریاد
بالشِ غمگسار کی حد تک
سسکیوں کی تھمی تھمی سی تڑپ
کروٹوں کے حصار کی حد تک
مجرمانِ وفا سرِ مقتل
رات بھر تلملائے ہیں کیا کیا
رنگ لائی ہے سنسناتی آگ
جل بجھی صبح جیسے راکھ کا ڈھیر
تا بہ حدِ نگہ دھوئیں کے ناگ

پاس آؤ کہاں ہو بازوئے دِل
رہگذارِ شکستِ خواب پہ ہم
خوں میں نہلائیں رنگ و بُوئے دِل

مرنے جینے کی خود نگر قسمیں
تہِ انبارِ خاک دفن کریں
آنسوؤں کا حساب کرلیں ہم
ماتمِ بزمِ خواب کرلیں ہم
نگہِ واپسیں کا غم لے کر
باندھ لیں اپنا اپنا رختِ سفر

چھٹ کے اِک دوسرے سے حسن و عشق
دُور تک ڈگمگائے ہیں کیا کیا

▲

شہرِ وفا میں

کہا تھا یہ دِل نے پسِ دَردِ ہجراں
چلو چل کے شہرِ وفا دیکھ آئیں
نہ جانے دَر و بَام کس حَال میں ہوں
فقط دُور سے دیکھ کر لَوٹ جائیں
کوئی یارِ دیرینہ گر مل بھی جائے
تو آنکھیں ملائیں نہ آنسو بہائیں
ہَوائیں قدم لیں تو انجان بَن کر
بڑی بے نیازی سے دَامن چھڑائیں
کچھ اِس طرح جائیں کہ طاقوں کی شمعیں
ہمیں دیکھ کر خود بخود جل نہ پائیں

○

چلو اب جبیں سے لہُو تھم گیا ہے
وہاں اپنے سجدوں کا ناموس دیکھیں

اُٹھو رقصِ جام و سبو تھم گیا ہے
پسِ بزمِ شب، رنگِ فانوس دیکھیں
نقوشِ قدم اب نہ جانے کہاں ہوں
وہ قول و قسم اب نہ جانے کہاں ہوں
وہ گفتارِ معصوم آیات کی سی
وہ لہجہ کی نرمی مناجات کی سی
وہ راتوں کی آوارہ گردی کے چرچے
وہ صبحوں سے آنکھیں چرانے کے قصّے
غرض عہدِ رفتہ کے شانے ہلائیں
چلو چل کے شہرِ وفا دیکھ آئیں

○

جنوں آفرینی تھی شہرِ وفا میں
وہ اِک نکہتِ خونِ تازہ ہوا میں
نئے پائے نرگس نئے آبلے تھے
نئے وصل و ہجراں نئے مرحلے تھے
سرِ انجمن مہرباں تم نہیں تھے

وہاں میں نہیں تھا، وہاں تم نہیں تھے
عروسِ فضا کی تھی پوشاک دھانی
نہ تھی اپنے ماضی کی کوئی نشانی
مگر پھر بھی اِس تازہ صبح و مسا میں
فقط ایک کہنہ روایت تھی باقی
عجب وضعداری ہے شہرِ وفا میں
کہ آنسو بہانے کی رسم آج بھی تھی!

خرابہ

آہ کو پھر شب گدازی کی خلش تڑپا گئی
آج لیکن طبعِ حسرت ناشکیبا بھی نہیں
صبح تک آنکھوں کو جل بجھنے کا سودا بھی نہیں

○

چاندنی کی نیم خوابیدہ اداسی کا فسوں
بام و در کے مضمحل شانوں پہ تھک کر سو گیا
اڑتے اڑتے یک بہ یک چاہت کا البیلا چکور
اندھے کہساروں کی ڈھلوانوں پہ تھک کر سو گیا
نوشگفتہ نیم رس ارماں کا پیکِ گلبدن
مدتیں گزریں کہ ویرانوں پہ تھک کر سو گیا

○

جم گئی قصرِ طرب پر غم کی محرابوں کی گرد
زندگی کا راستہ دھندلا گئی خوابوں کی گرد

خانۂ ویراں کا لے دے کر اثاثہ ہے یہی
ایک سوتے جاگتے بُت کا سکوتِ پُر محن
جس کے جبڑوں میں نجوم و کہکشاں کی سرد راکھ
چاند جکنا چُور، خُوں میں تر بتر ہر ہر کرن
اُس کی دیو داسیوں کے پاؤں چھلنی کر گئی
فرش پر بکھرے ہوئے سُورج کے ٹکڑوں کی چبھن

○

شمعدانوں کی پگھلتی موم کی بے خوابیاں
تک رہی ہیں دیر سے آپ اپنے لُٹنے کا سماں

○

شہر سونا ہو گیا، پچھلے کی رُت سنولا گئی
گھر کا دروازہ کھُلا کیوں ہے کہ وعدہ بھی نہیں
میہماں کی آس کیا، رہزن کا کھٹکا بھی نہیں!

▲

اجنبی

اب یہ احساس دمِ فکرِ سخن ہونے لگا
اپنی ہی نظموں کا بھولا ہوا کردار ہوں میں

○

میں مسافر ہوں بیابانِ فراموشی کا
اپنے نقشِ کفِ پا سے بھی شناسائی نہیں
تا بہ پہنائے نظر ریت کے ٹیلوں کا سکوت
دامنِ کوہ سے لپٹی ہوئی جھیلوں کا سکوت
اپنا سایہ بھی یہاں مونسِ تنہائی نہیں
تیر بن کر کوئی سناٹے کے دل میں اترے
کسی مایوس پرندے کی صدائے تنہا

زخمی آہوئے رمیدہ کی ادائے تنہا
کاش پل بھر کو اُتر آتا خدائے تنہا
مَیں کسی آذرِ گمنام کا بُت ہوں شاید
جس کی قسمت میں کوئی چشمِ تماشائی نہیں
اذنِ فریاد نہیں، رخصتِ گویائی نہیں

○

دُور اُس پار شفق رنگ گپھاؤں سے پرے
زیرِ محرابِ فلک، قافلۂ عمرِ رواں
تان اُڑاتے ہوئے سرمست و جواں گزرا تھا
مہ فشاں، نجم چکاں، مہرِ عناں گزرا تھا
خوں رُلاتا ہے سُبک گامیِ محمل کا سماں
اب بھی کوندا سا لپکتا ہے گھٹاؤں سے پرے

○

مَیں بھی اُس وقت سرِ راہ تھا حیراں حیراں

پا برہنہ، نظر آوارہ، تن افگار خموش

درد سے مُہر بلب، صورتِ دیوار خموش

خلشِ حسرتِ جاں تھی کہ کوئی پہچانے

شمع سی دِل کے نہاں خانے میں لرزاں لرزاں

مُجھ پہ کیا بیت گئی، کون سُنے کیا جانے

چشمِ خُوں بستہ کو آسیب کا مامن سمجھا

قافلے والوں نے شاید مجھے رہزن سمجھا

▲

دوسری محبّت

یہ اکثر تم سے مل کر سوچتا ہوں کیا ہوا مجھ کو
دماغِ عشق باقی ہے نہ اب ذوقِ وفا مجھ کو
وہی مَیں ہوں، وہی گھر ہے، وہی سنسان آنگن ہے
درِ یچوں پر وہی پھولوں کا آسودہ نشیمن ہے
وہی بیلوں کی جدوَل کے تلے ٹھنڈک کی بستی ہے
درختوں پر وہی معصوم خاموشی برستی ہے
وہی کمرے کی دیواروں کی لب بستہ رفاقت ہے
کتابوں اور تصویروں کا سامانِ جراحت ہے
دھری جاتی ہیں طاقوں پر ابھی تک اَدھ جلی شمعیں
گجر دم اب بھی سنتا ہوں پگھلتی موم کی چیخیں

ابھی پچھلے پہر آتی ہیں آوازیں سرابوں کی
ہتھیلی سے کوئی ملتا ہے آنکھیں میرے خوابوں کی

تم آئے سر بہ زانو ہو چلی ہے میری تنہائی
سر آنکھوں پر تمہارا التفاتِ چارہ فرمائی

نگاہوں میں تمہاری گوکل و متھرا کی باتیں ہیں
کھُلی مہکی ہوئی زُلفوں میں بندرابن کی راتیں جیسیں
دہکتے عارضوں پر پو پھٹے کا عکس لرزاں ہے
شنگرفی بازوؤں میں جیسے آتش زارِ یوناں ہے
زسر تا پا نکلتی ہیں سجل، بانکی شعاعیں سی
کہ جیسے ہشت پہلو پارۂ نیلم کی ضو تابی
ہر اک خطِ بدن میں بجلیاں سی ڈوب جاتی ہیں
خمِ محرابِ لب میں پیاسی آنچیں سنسناتی ہیں
وہی لہجے کا دُکھنا جیسے خوں تھم تھم کے رِستا ہو
وہی آنکھیں کہ جن پر التجا کا صاف دھوکہ ہو

کفِ دستِ بلوریں پہ حِنا کی رنگ سامانی
جواہر کی دکاں میں جس طرح ہیروں کی مہمانی
مبارک ہو گھنی زلفوں کو گلبانگ اماں ہونا
زمانہ کی کڑی دھوپوں میں مثلِ سائباں ہونا

مگر میں سوچ میں گم ہوں یہ ایں الطاف برنائی
مرے احساس پر اودی گھٹا سی کیوں نہیں چھائی

ٹگا ہوں کو رہا ہے مدتوں ذوقِ چمن بینی
رچی تھی دل میں ہلکے رنگ کی کلیوں کی شیرینی
سہانی چاندنی پگڈنڈیوں پر اب بھی کھلتی ہے
عذارِ گنج پر سنبل کی لٹ مستانہ ہلتی ہے
نہیں ہوتا مگر اب آگ پینے کا گماں خود پر
وہ عالم ہے کہ ڈرتا ہوں نہ ہو جائے عیاں خود پر
کہاں وہ دن مزاجِ غم کو زہرِ درد راس آئے
سرِ دامن لرز کر آنسوؤں کی التماس آئے

وہ بیگانہ وشی وہ بے نیازی بزمِ دُنیا سے
کہ جیسے تھی مجھے اِک نسبتِ دیرینہ صحرا سے

سحر کے ساتھ اب دِل میں کھٹک سی کیوں نہیں ہوتی
نہ بالش نہ تر ہوتا مگر نم آستیں ہوتی

نہیں پہلی کرن کی سینۂ پُرخوں پہ وہ چھوٹیں
کہ جیسے نوکِ سوزن ٹوٹ کر رہ جائے ناخن میں

غضب ہے خاکِ در پہ گر نہ ہو اکسیر کا دھوکہ
پسِ عجزِ دُعا تم پر نہیں تاثیر کا دھوکہ

زمانہ ہو گیا ہے خال و خط کو اپنی یاد آئے
نہیں ممکن کہ اب آئینہ میرا عکس لوٹائے

سراپا جُرم ہوں آسودۂ لُطف و کرم ہو کر
میں شاید رہ گیا پہلی محبت کی قسم ہو کر

▲

مریمِ نغمہ

شکرّیں شب یہ گُل و رنگ شب یہ میٹھا گہرا
چاند کے سینے میں لَو دیتا ہے سنگیت کنول
رَس میں ڈُوبا ہُوا، سُرتال سے بوجھل بوجھل

○

منظرِ خواب فضا ہے گرہِ ساز کُھلے
پھر سرِ بزم مرا بھید مرا راز کُھلے
مَریمِ نغمہ تری لَے میں ہے تنویرِ شفا
ساز کے سینۂ پُرخُوں میں دَبی ہیں چوٹیں
سُر کے زخموں پہ کوئی نُور کا پھاہا رکھ دے
باندھ ہر تار کے اَطراف اُجالے کا حصار
مُرکی مُرکی کے جِگر چھو کے کلیجہ رکھ دے
آنکھ کو حسرتِ خُوں نابہ فشانی نہ رہے

ضبطِ فریاد کی جی کھول کے رُسوائی کر
ساز یوں چھیڑ کہ اشکوں کو بہانہ مل جائے
یوں دُکھا دل کہ تسلّی کا گُماں ہو جس پر
تیری آواز سے دیپک تری سانسیں ہیں ملہار
نغمگی گھل سی گئی ہے تری شریانوں میں
جیسے گُلبن میں ہو ساون کی جھڑی میں جگنو
نرت اس طرح چمکتی ہے مدھُر تانوں میں
رُخ کہ گُلبانگِ سکوں، جلوہ وہ دردِ نشاط
لبِ ساکت پہ بھی اُستھائی کے چھڑنے کا گُماں
دیکھ کر آنکھوں کا یہ جاگتا سوتا سپنا
آکے رس بس گئیں بدمست سجل راگنیاں
تُجھ کو سنگیت کی دیوی نے دُعائیں دے کر
مُسکراتے ہوئے رنگوں کی فراوانی میں
نُور کے زمزموں سے بھیجا ہے کرن کے مانند
راگ کے سائے میں سرگم کی نگہبانی میں

○

بارہا خواب کے ہنگام یہ محسوس ہوا
میرے انفاس میں پڑتے ہیں اُجالے کے بھنور
راگنی پیار سے تکتی ہے سرہانے آکر

○

جب بھی بہکے ہوئے سرشار دِوانے بادل
پیار سے ٹوٹ کے بدمست چلے آتے ہیں
پَل میں ہو جاتی ہیں شرمیلی ہوائیں پاگل
لبِ احساس پہ جم جاتی ہے کہرے کی مٹھاس
نیند بن جاتا ہے آنکھوں میں دُھندلکے کا غبار
برگ سے اُٹھتی ہے جب بوند کی پہلی جھنکار
پوچھتا ہے کوئی چپکے سے مسیحا بن کر
تُو کسی ساز کا بھٹکا ہوا نغمہ تو نہیں
کسی مضراب کے سینے کا شرارہ تو نہیں

○

اَن سُنی راگنی پچھلے کو سُناتا ہے یہ کون

جب فضاؤں سے برس پڑتے ہیں گلہائے طرب
ڈوبتا ہے سرِ دریا قمرِ آخرِ شب
موجیں منقش کے تاروں میں بدل جاتی ھیں
چرخ پر لگتا ہے جب اشرفیوں کا انبار
چوٹیاں کوہ کی سونے سے پگھل جاتی ھیں
کھلنے لگتے ہیں سرِ آبِ رواں نیل کنول
صف بہ صف بھونرے چلے آتے ہیں بے کل بیکل
خود بخود جیسے کہیں بھیرویں چھڑ جاتی ہے
چاند کی آخری کرنوں کی صدا آتی ہے

○

کنجِ سرسبز میں آئینِ خزاں کے ہاتھوں
منہ چھپائے ہوئے دامانِ مزارِ گل میں
سسکیاں بھرتی ہے جس وقت پپیہے کی پکار
کیسے تھم تھم کے سنکتی ہے ہوائے گلزار
پیکرِ شاخ سے جب زیورِ گل اترا ہے
شیونِ برگِ چکیدہ سے چمن گونجا ہے

پَو پھٹے مَوجِ نسیمِ سَحَری کے ہمراہ
تتلیاں ست رنگی سوغات لیئے آتی تھیں
دیکھ کر خیمۂ نسرین و سمن کا انجام
خس و خاشاک سے گھبرا کے پلٹ جاتی ہیں
ایسے ہنگام کہیں باغ کی دیوار کے پاس
زرد سی راگنی آ آ کے ٹھٹھری رہتی ہے
ایک اِک پھول کے لٹنے کی کتھا کہتی ہے

○

مَیں نے ہر رنگ میں سنگیت کی پوجا کی ہے
آسرا کس کا تھا نغمات کے دامن کے سوا
سوچتا ہوں کہ اگر سُر نہ سہارا دیتا
دوش پر وہ غمِ دُنیا کی گرانباری تھی
سانس اُکھڑ جاتی مری تھک کے کہیں سو جاتا
ریزۂ آئینۂ شام و سحر ہو جاتا

○

نسبتِ درد ہے کچھ جُنبشِ مضراب کے ساتھ

کوئی چھپ چھپ کے بلاتا ہے پسِ پردۂ ساز
مجھ سے یہ کس نے کیا سات سُروں کا پردہ
میرے دُکھ درد کا یہ کون شناسائی ہے
کون غم خوار ہے یہ کس کی مسیحائی ہے

○

ساز پر انگلیاں جس وقت رواں ہوتی ہیں
دل کی دیوار سے سر پھوڑتا پھرتا ہے کوئی
ایسا لگتا ہے بدلنے کو ہیں میرے دن رات
جیسے مٹی مری اکسیر میں ڈھل جائے گی
قند ہے جیسے مرے حق میں مرا زہرِ حیات
زندگی گردشِ دوراں سے نکل جائے گی

○

اُف یہ مر مر کے جیئے جانے کی بے سُود لگن
محبسِ دہر میں کیا قہر ہے سانسوں کا چلن
بے سبب دل کو گماں ہوتا ہے جیسے تُو نے
میرے اشکوں مری آہوں کا سماں دیکھا ہے

تُو نے دیکھی ہے مری رات کی گم گشتہ سحر
میری بجھتی ہوئی شمعوں کا دھواں دیکھا ہے
تجھ پہ آئینہ ہے جیسے مرا مجروح شباب
تجھ سے پوشیدہ نہیں ہے مرے زخموں کا حساب

○

مریم نغمہ تری لے میں ہے تنویرِ شفا
تُو مری خاک کو سودائے پر افشانی دے
رخت ہستی کو تمنائے گریبانی دے
غم سے بھٹکا ہوں کہاں جاؤں بتا دے مجھ کو
سینۂ ساز میں چپ چاپ سُلا دے مجھ کو
اپنی آواز کے شعلوں میں جلا دے مجھ کو
جی میں ہے کھوئے ہوئے خوابوں کی تعبیر ملے
راگ کی آگ میں جل بجھنے کی تقدیر ملے

▲

پُلِ صراط

دروازۂ دِل ہے سَر دو بستہ
زنجیرِ صلیب بَن گئی ہے
ڈھلتی ہے شبِ سکوت ساماں
مہتاب کی راکھ اُڑ رہی ہے
تاروں کے بدن کا زرد سیماب
قطرہ قطرہ پگھل رہا ہے
آواز دے اے مکینِ انفاس
اے ملکۂ قاف دَر دِ رفتہ
تُو دیر سے چُپ ہے کیا ستم ہے
اب کھول دے دَر کہ وقت کم ہے

مَیں بھاگ کے دستِ بُردِ غم سے
آیا ہوں پئے پناہ شیریں
اے دیر شناسا، مان بھی جا
اِک جنسِ وفا سے لاگ کیسی!

کیا جانیئے رنگِ صُبح کیسا ہو
گنجینۂ بے بہائے ماضی
اِک شب کو چُرا لیا ہے مَیں نے
یہ دید کی حسرتِ پشیاں
یہ چند رُکے رُکے سے آنسو
یہ قول و قسم، یہ عہد و پیماں
یہ درد یہ بے قرار پہلو

یہ ذوقِ دُعا یہ رنجِ تاثیر
یہ کشتِ وفا یہ فصلِ تعبیر
یہ لعل و زرِ حیاتِ رفتہ
کس طرح چھپاؤں تو بتا دے
ڈرتا ہُوں کہ رات کٹ نہ جائے
رہزن ہُوں کوئی نہ دیکھ پائے

بے ننگ و نام

رات ڈھلتے ہی اک آواز چلی آتی ہے
"بھول بھی جاؤ کہ میں نے تمہیں چاہا کب تھا
کس صنوبر کے تلے میں نے قسم کھائی تھی
کوئی طوفاں کسی پونم میں اٹھایا کب تھا
میری راتوں کو کسی درد سے نسبت کیا تھی
میری صبحوں کو دعاؤں سے علاقہ کب تھا
ایک محمل کے سرہانے کوئی رویا تھا ضرور
پسِ محمل کسی لیلیٰ نے پکارا کب تھا
تم یونہی ضد میں ہوئے خاکِ درِ میخانہ
مجکو یہ زعم کہ میں نے تمہیں ٹوکا کب تھا
تم نے کیوں "پاکیٔ داماں کی حکایت" لکھی
میرے سر کو کسی دیوار کا سودا کب تھا

یاد کم کم ہے نہ چھیڑو مرے مکتوب کی بات
وہ مروّت تھی فقط حرفِ تمنّا کب تھا"

○

دل نہ اس طرح دُکھا صاف مُکرنے والے
مجھ کو تسلیم کہ تیری کوئی تقصیر نہ تھی
یہ بجا ہے کہ تجھے ذوقِ نشیمن نہ ملا
یہ غلط ہے کہ مجھے حسرتِ تعمیر نہ تھی

○

سنگ باری میں یہ شیشے کا مکاں کس کا ہے
اس در و بام میں خوشبوئے وفا کیسی ہے
کس کی آواز سے دیواروں کے سینے ہیں فگار
میرے معبود مرے گھر کی فضا کیسی ہے
چھاؤں دیتے نہیں آنگن کے گھنیرے اشجار
غم کی چھائی ہوئی گھنگھور گھٹا کیسی ہے
ایک کونپل پہ تھا انگشتِ حنائی کا نشاں
یہ لہو روتی ہوئی شاخِ حنا کیسی ہے

کس کی تصویر ہے یہ جس پہ گماں ہوتا ہے
جانے کب بول اُٹھے اُف یہ ادا کیسی ہے
کس کی تحریر ہے یہ جس کے ہیں الفاظ عجیب
لفظ و معنیٰ کے تصادم کی صدا کیسی ہے
کس نے تکیہ پہ یہ کاڑھا ہے گریے کا مصرع
ہائے ٹوٹی ہوئی نیندوں کی سزا کیسی ہے

○

سوچ میں گم ہوں کہ کس کس کی زباں بند کروں
آج شاید در و دیوار کو ڈھانا ہوگا
جس میں تو ہے ترے وعدے ہیں تری قسمیں ہیں
کیا ستم ہے کہ اسی گھر کو جلانا ہوگا

▲

رتجگا

اندھیری رات، ہوا تیز، برشگال کا شور
کروں تو کیسے کروں شمع کی نگہبانی
ان آندھیوں میں کفِ دست کا سہارا کیا

کہاں چلے گئے تم سونپ کر یہ دولتِ نور
مری حیات تو جگنو کی روشنی میں کٹی
نہ آفتاب سے نسبت نہ ماہتاب رفیق

جنم جنم کی سیاہی، برس برس کی یہ رات
قدم قدم کا اندھیرا، نفس نفس کی یہ رات
تمہاری نکہتِ برباد کو ترستی ہے
اب آؤ آکے امانت سنبھال لو اپنی
تمام عمر کا یہ رتجگا تمام ہوا
مَیں تھک گیا ہوں مجھے نیند آئی جاتی ہے ▲

اَہرَمنؑ

مُجھے رَبِّ موجود کی ذات کا
علم و عرفاں ہے، جس نے
بہ شانِ تجّمل کہا
کُن، زمیں، آسماں، چاند، سُورج
سِتارے، سمندر، بیاباں، شجر،
کوہ، گویا ہر اک شے
کفِ غیب سے جاگ اُٹھی
بَشر، آب و آتش
گِل و خاک کی ایک ترکیب
قُدرت کے ہاتھوں نے تکمیل کی

شانِ یزداں نے پھر اپنی تخلیق کو
جیسے سجدہ ہر این و آں کہہ دیا
مرحبا مرحبا کی صدائیں اُٹھیں
اور ساری فضا سربسجدہ ہوئی
صرف ایک ہی ایسا گستاخ تھا
جس نے چنگھاڑ کر، قہقہے مار کر
عرش و کرسی کی توہین کی

○

مَیں کل وقت کے گہرے ساگر پہ
لمحوں کی موجوں کے سر پیٹنے کا سماں
تک رہا تھا، معاً اک دھماکہ ہوا
طنز کے قہقہے کی بھیانک صدا نے
مخاطب کیا "سچ بتا کون قایم رہا
قول سے فعل تک کس کے
باطن نے ظاہر کو جھٹلا دیا"

▲

گُریزپا

راکھ کے ڈھیر میں باقی نہیں چنگاری بھی
اُس سے کہہ دو کہ محبت کا تقاضا نہ کرے
مَیں کہاں اور کہاں رسمِ جنونِ تازہ
اَب نہ چاہوں گا کہ کوئی مجھے دیوانہ کرے
دلِ مرحوم کے جاگ اُٹھنے کا اِمکاں نہ رہا
وہ کسی نیند کے ماتے کو جگایا نہ کرے
آنکھ کے نُور میں شامل نہ کرے سُرخیِ خُوں
دِل کو دِل رہنے دے ہم رُتبۂ صحرا نہ کرے
یُوں ملے، جیسے کوئی راہ میں مِل جاتا ہے
کوئی پیماں بھی نہ باندھے کوئی وعدا نہ کرے

بے دلی بھی بری منظور، خموشی بھی روا
اُس کو گر پاس ہو میرا تو وہ ایسا نہ کرے
مَیں بہت خوش ہوں کہ جی لگ گیا پھر دُنیا میں
خوف آتا ہے کہ وہ پھر مجھے تنہا نہ کرے

○

رت جگے ہوں گے نہ آہوں کا دُھواں اُٹھے گا
اب تو وہ رسم گئی، رِیت گئی، بات گئی
گریۂ نیم شبی ہے نہ گدازِ سحری
کیا کہوں کیسے وہ پابندیٔ اوقات گئی

○

سفرِ عمرِ رواں سہل بھی دُشوار بھی ہے
مرغزار آئیں گے راہوں میں بیاباں ہوں گے
ہنس کے سہہ لو تو بہت خوب ہے افتادِ حیات
غور سے دیکھو بہاروں کے بھی ساماں ہوں گے
اُس سے کہہ دو کہ غنیمت ہے بہت ہم سفری
راہ طے ہوگی کڑے کوس بھی آساں ہوں گے

کیا خبر کون سی منزل پہ بچھڑ جانا ہے
ہم یقیں ہے کہ کسی خواب کے عنواں ہوں گے

○

اُس سے کہہ دو کہ میسّر ہے کہاں جنسِ نشاط
لمحۂ نقد سے دامانِ رفاقت بھر دے
مَیں بھی اُس زُلف میں گوندھوں کوئی مہتاب سا پھُول
وہ بھی ہنس ہنس کے مجھے پیار سے رخصت کر دے

▲

تاریک چراغاں

تمہارے بعد تم سے چھُوٹ کر کیا سخت عالم تھا
مجھے شاید شکستِ رشتۂ دِل کا بہت غم تھا

خدا جانے وہ کیا دِن تھے وہ بے بال و پَری کیا تھی
امانت سی کوئی شئے میرے سینے میں دھری کیا تھی

نہیں معلوم دِل میں کیا سمائی تھی تمہیں کھو کر
بھٹکتا پھر رہا تھا آپ اپنے سے جُدا ہو کر

محبّت بے نیازِ رسمِ دُنیا ہوتی جاتی تھی
وفا منزل بہ منزل اور تنہا ہوتی جاتی تھی

خدا رکھے عجب اُفتاد ہے ہجرِ مُسلسل بھی
گرہ میں یاد کی باقی نہیں ماضی کا اِک پل بھی

خلش سی دامنِ جاں سے لپٹ کر ہو گئی رخصت
تمہارے سنگِ در سے نسبتِ سر ہو گئی رخصت
سکونِ یاس و دورِ خود فراموشی کے دن آئے
مبارک اے چراغِ دل سیہ پوشی کے دن آئے
قیامت ہے کہ عہدِ سرخوشی کو خواب ہونا تھا
تمہارے رخ کو بھی تصویرِ سطحِ آب ہونا تھا

○

پسِ مدت بہ ایں ترکِ وفا کیوں دل دھڑکتا ہے
بیابانوں میں ذوقِ آبلہ پائی بھٹکتا ہے
مجھے یہ وہم زخمِ آرزو بھرنے نہیں پایا
گماں ہونے لگا ہے دل ابھی مرنے نہیں پایا
ہری کونپل کو جب فطرت مئے شبنم چکھاتی ہے
مجھے اپنی نگاہوں سے سنہری آنچ آتی ہے
ندا سی شام جب چھائے دھواں اودی گھٹاؤں کا
گماں گزرا ہے اکثر اپنی سانسوں پر دعاؤں کا

شبِ مہ جب بھی اُتری کاسنی زینوں سے تھم تھم کر
بکھر کر رہ گئیں چنگاریاں سی دامنِ دل پر
وہی دریائے رنگ و بو وہی دل کا سفینہ ہے
کہ جیسے مستقل سینے میں ساون کا مہینہ ہے
وہی چہلیں وہی اٹھکھیلیاں وحشی غزالوں کی
کلاہِ کج سے ہے صاحب سلامت ناز والوں کی
حسینانِ دکن کی انجمن سے ربط باقی ہے
لبِ لعلین و خوشبوئے دہن سے ربط باقی ہے
سمن رویانِ مصرِ دل سے کنعانی کا دعویٰ ہے
ابھی تک مجھ کو آنکھوں کی زباں دانی کا دعویٰ ہے
سمجھا تو جانے پہچانے سے پلکوں کے جھپکنے میں
وہ ساری رکھ رکھاؤ کی سی کیفیت جھجکنے میں
خرامِ ناز سے کیا عالمِ پُرفن نکلتا ہے
سخن میں سو جگہ پہلوئے حسنِ ظن نکلتا ہے
مجھے معلوم ہے کیا سحر ہے کنگن کے ہالے میں
بھٹک جاتا ہوں رستہ اب بھی مکھڑوں کے اُجالے میں

○

سر ہوو از وہ قایم سلامت بزم آرائی
بڑی مشکل سے سنتے ہیں طبیعت راہ پر آئی

دعاؤں کا تکلف ہے نہ اشکوں کی مداراتیں
کھڑی ہیں صف بہ صف دیوارِ دل پر چاندنی راتیں

مگر وہ سادگی وہ درد کی معصومیت گم ہے
مری سانسوں سے وہ قول و قسم کی کیفیت گم ہے

شکستِ وعدہ بھی وجہِ شکستِ دل نہیں ہوتی
مجھے اب کوئی منزل آخری منزل نہیں ہوتی

کوئی منظر سہی جی کو بہر صورت بہلنا ہے
میں ہوں وہ شمع جس کو صبح ہونے پر بھی جلنا ہے

دلِ برباد کے ذوقِ تن آسانی سے ڈرتا ہوں
میں اپنی اور آئینہ کی حیرانی سے ڈرتا ہوں

نہ کھو دے خود فریبی روز و شب کا سلسلہ بن کر
محبت رہ نہ جائے میرے حق میں مشغلہ بن کر

▲

آخری تمنّا

کم سے کم آزردہ رہوں رنجشِ بے جا نہ ملے

کیا تمنّا ہے کہ اب تو مجھے تنہا نہ ملے

شب کو تاریک بنا دے مری مہتاب نہاد

تیری انگڑائی کا چڑھتا ہوا دریا نہ ملے

صبح سورج کے مجیرے میں کرن کے گھنگرو

بج اٹھیں پر تری پازیب کا لہرا نہ ملے

خطۂ نجد دکن ہو کا سماں ہے تو سہی

کوئی ناقہ نہ ملے ، کوئی بگولا نہ ملے

اب وطن میں بھی غمِ بے وطنی ہے کہ نہیں

راستہ میں کوئی ہمدرد شناسا نہ ملے

ہونٹ جل جائیں اگر جرأتِ فریاد کروں
گر دعا مانگوں تو لفظوں کا سہارا نہ ملے

شہپرِ طائرِ آوارہ کا سایہ ہو حرام
گھر سے چھوٹوں تو مجھے گوشۂ صحرا نہ ملے

زندگی مہر بہ لب ہو تہِ بیدادِ صلیب
کوئی مریم نہ پکارے کوئی عیسا نہ ملے

اشک آنکھوں میں امڈ آئیں تو کنکر بن جائیں
ڈوبنے جاؤں تو تنکے کا سہارا نہ ملے

سامنا ہو بھی تو کترا کے نکل جائیں گے
صرف پرچھائیاں رل جائیں سراپا نہ ملے

اب مری نظم پہ تجھ کو نہ گماں ہو اپنا
تجھ سے اب داد بہ اندازِ تمنّا نہ ملے

خلوت

وا کرو کاسنیِ گُل پوش دریچے جاناں
چاپ کرنوں کی چلی آتی ہے دِھیرے دِھیرے
تُم بھی پردہ نہ کرو، مَیں بھی تکلّف نہ کروں
چاند چُپ چاپ چلا آئے گا آجانے دو
جانے کیا کہتا ہے دیکھیں تو سَفیرِ شب تاب
کیسے کِھل اُٹھتے ہیں اس کے لب و عارض کے گلاب
کیا دُعا دیتا ہے اِس دولتِ یکجائی پر

نوشتۂ سازم

شام سنولا گئی، گہرا ہوا صحرا کا سکوت
وادیاں ڈوب گئیں، کھو گئے ٹیلے میداں
تم نے جس موڑ پہ تھاما ہے مرا دستِ جنوں
دیدنی تھا وہیں سائے کی جدائی کا سماں

○

آج تک خون کی گردش میں رواں ہے کوئی
رگِ احساس میں ٹوٹے ہوئے نشتر کی طرح
کسی آہو کی فراموش صفت آنکھوں میں
میں رہا بھی تو سرائے کے مسافر کی طرح
کبھی اجڑے ہوئے مندر کا پروہت بن کر
کبھی کعبہ سے نکالے ہوئے پتھر کی طرح
اپنے ہاتھوں سے مٹا دو کسی بے مہر کا نام
ثبت ہے میری جبیں پر جو مقدر کی طرح

نہ شبنم نہ شب پرستم

صبح کی آس یہی شب کی تمنا ہے یہی
تم جو اس شہر سے گزرو تو تقاضا ہے یہی
ایک لمحے کو ٹھہر جاؤ مرے دل کے قریب
نہ کوئی شکوۂ غم نے گلۂ رنج و محن
اب نہیں زیبِ گلو وعدہ و پیماں کی رسن
سر بگوں ہو گئی الطاف و عنایت کی صلیب

○

گل زمیں شعلۂ گل سے ہے بھبھوکا دیکھو
جھوم کر آئی ہے متوالی گھٹا اب کے برس

صاف سبزے کی رگوں میں ہے لہو کی چہکار
نشہ و رنگ کی ہے آب و ہوا اب کے برس
ناخنِ شوق سے مانگے ہے عجب دادِ خموش
چستیِ پیراہنی و بندِ قبا اب کے برس

میرے آنگن میں اتر آئی ہے نکہت کی برات
تھال کستور کے اُبٹن کے کٹورے مہکے
کن خیابانوں سے بورائی یوں آئی ہے
رس میں ڈوبے ہوئے مدماتے جھکورے جھکے
کس کی سکھیاں ہیں ہنسی چھوٹ رہی ہے جن کی
کون گھونگھٹ میں ہے یہ شاخِ ثمر بار کی طرح
بر میں فردوسِ وفا آنکھ میں واماندہ حیا
جیسے تصویرِ مسیحا کسی بیمار کی طرح
کن حنا ساختہ قدموں سے یہ نقشے جاگے
چونک اٹھے میرے در و بام دریچے جاگے

○

تم کو شکوہ ہے یہ ایں ترکِ تمنا اب تک

مَیں بھلا کیسے جیا! مرگ نشاں کیوں نہ ہوا
ابرِ آوارہ کے مانند نہ بھٹکا کیوں کر
آخرِ شب کے چراغوں کا دھواں کیوں نہ ہوا
سنگِ طفلاں کا ہدف کیوں نہ بنا کُوچوں میں
چاک داماں سرِ بازارِ جہاں کیوں نہ ہوا
جامِ نوشینہ سے کیوں پیاس بجھالی مَیں نے
تلخ آشام سرِ کُوئے مُغاں کیوں نہ ہوا
میری تقصیر کہ بیداد کو بیداد کہا
محوِ توصیفِ رُخِ تیغ و سناں کیوں نہ ہوا

○

میرے سینے میں بھی ہے زخم بہ وصفِ مرہم
تُم نے اس زہر کو چُپ چاپ اُتارا کیسے
کیوں مری دادِ جنایاد نہ آئی تم کو
آئینہ دیکھ کے زلفوں کو سنوارا کیسے

کیوں دمِ صبح کرن دل میں ترازو نہ ہوئی
چہرۂ شامِ فسردہ ہے گوارا کیسے
مجھ پہ ہنسنے کا کلیجہ بھی بلا نامِ خدا
کانپ اُٹھتا ہوں کہ دل تم نے سہارا کیسے
اب تمہیں ماضیِ مرحوم سے انکار بھی ہے
باور آتا ہی نہیں روپ یہ دھارا کیسے

○

بعدِ یک عمر چلو عقدۂ مشکل تو کھلا
روح پیاسی تھی، نظر چور تھی، دل تنہا تھے
کوئی حالات کی زنجیر سے آگے نہ گیا
اپنے تابوتِ روایات میں ہم زندہ تھے
مدتوں بعد سہی آج یہ اقرار کریں
دعویِ عشق میں ہم دونوں جفا پیشہ تھے

▲

نژاد

دِلبندِ جمیل و نُور دِیدہ
اِقلیمِ طَرَب کے شاہزادے
سُورج تری صُبح کا ہَراوَل
تارے تری رات کے پیادے
مُٹّھی میں کرن کرن کا سونا
نظروں میں ہیں تتلیوں کے جادے
رنگوں کی جھڑی میں تیری نیندیں
بادل ترے پالنے کا پَردَہ
شبنم کا خرام تیری لوری
فِطرت کا سُکوت تیرا نغمہ

کلکاریاں جیسے سُر کی پتی
فطرت کی الاپ میں لگی ہو
چہرے پہ صبا حتوں کا غازہ
چاندی جیسے پگھل رہی ہو
عارض پہ ہے موتیوں کا پانی
آنکھوں میں شریر مسکراہٹ
(کیا شئے ہے سکونِ شادمانی)

○

اے عکسِ تصوّراتِ شاعر
سر تا بہ قدم یہ رسمساہٹ
عمرِ دو جہاں کی سرخوشی ہے
بے منّتِ این و آں یہ ساعت
روح و دل و جاں کی نغمگی ہے
نے، رنجِ خمار و آہِ دوشیں
نے، لاگ، نہ مصلحت، نہ چشمک
نے، جذب و گریز، مطلب آگیں

نَے، تیر کماں میں مُضطرب ہے
نَے، کوئی غنیم ہے کمیں میں
چاندی سی کلائی نور افشاں
دشنہ کی بجائے آستیں میں
نَے، بیمِ خزاں نہ فکرِ فردا
اِمروز کی سلطنت ہے گویا

○

چوگانِ جہاں خراب آباد
ہے بازیٔ خیر و شر کا مامن
کیا آس نراس کے گوئے ہیں
اُلجھن میں ہیں شاطرانِ پُرفن
حالات و ضمیر کا تصادم
بنتا ہے نفس نفس کا رہزن
کس درجہ عجیب زندگی ہے
اِس دہر میں آدمی دُکھی ہے

○

اے ننّھے فرشتے اے "تراوے"
تُو اپنے چراغِ مہر و مہ سے
مٹّی کے دِیوں کو بھی جَلا دے
ہم روشنی کوش منتظر ہیں
ظُلمات بَدوش منتظر ہیں

▲

خوں بہا

صلیبِ قمر، مقتلِ شب، خموشی
در و بام و ایواں ہیں کُہرے میں غلطاں
کوئی شہر میں دادگر تک نہیں ہے
ہیں صدیوں سے مُہر بر لبِ درد ساماں
سُنے کون صورِ سرافیلِ تازہ
کہ ہیں پنبہ در گوش شب زندہ داراں

مرا بختِ اسکندری کوچہ کوچہ
ہر اک سنگ سے آئینہ مانگتا ہے
ایاغِ سفالیں کا جمشیدِ حاضر
کوئی تو بہ نو حادثہ مانگتا ہے
مَیں وہ آبلہ پا ہوں نجدِ دکن کا
ببولوں سے جو خوں بہا مانگتا ہے ▲

قیدِ حیات و بندِ غم

آخرِ شب کی اُداسی، نَم فضاؤں کا سُکوت
زخم سے مہتاب کے رِستا ہے کرنوں کا لہُو
دِل کی وادی پر ہے بے موسم گھٹاؤں کا سُکوت
کاش کوئی غمگُسار آئے مدارا تیں کرے
موم بتّی کی پگھلتی روشنی کے کرب میں
دُکھ بھرے نغمے سُنائے دُکھ بھری باتیں کرے

○

کوئی افسانہ کسی ٹوٹی ہوئی مضراب کا
فصلِ گُل میں رائیگاں عرضِ ہُنر جانے کی بات
سیپ کے پہلو سے موتی کے جُدا ہونے کا ذکر
موج کی، ساحل سے ٹکرا کر بکھر جانے کی بات

دیدۂ پُرخوں سے کاسہ تک کی منزل کا بیاں
زندگانی میں ہزاروں بار مَر جانے کی بات
عدل گاہِ خیر میں، پاسنگِ شر کا تذکرہ
آئینہ خانے میں خال و خط سے ڈر جانے کی بات

○

کاش کوئی غمگسار آئے مدارا تیں کرے
موم بتّی کی پگھلتی روشنی کے کرب میں
دُکھ بھرے نغمے سُنائے دُکھ بھری باتیں کرے

▲

غزلیں

○ غزل کہہ لیں تو جی کا بوجھ ہلکا ہو ہی جاتا ہے

ایک رات آپ نے اُمید پہ کیا رکھا ہے
آج تک ہم نے چراغوں کو جلا رکھا ہے

سَوسَن و نسترن و سُنبل و ریحان و گُلاب
تیری یادوں کو گُلستاں میں چُھپا رکھا ہے

وجہِ آوارگیٔ عشقِ فسُردہ معلوم
نگہِ ناز کو پردہ سا بنا رکھا ہے

دردِ دولت ہی سہی، پہلوئے راحت ہی سہی
کچھ دنوں عشق نے بھی خود کو بچا رکھا ہے

لے اُڑے اہلِ جنوں حسن کی اک ایک ادا
خلوت و بزم میں اب فرق ہی کیا رکھا ہے

ہائے خوشبو سے ترے درد کی نسبت نہ گئی
مَیں نے ہر پھول کو سینے سے لگا رکھا ہے

آج تو شکوۂ محرومیِ دیدار نہیں
ہم نے کل کے لیئے اِس غم کو اُٹھا رکھا ہے

○

خواب کے دُھندلے شہر میں اکثر اِک پرچھائیں پھرتی ہے
یُوں نہ ستا اے صورتِ مبہم ہو چکا جینا اب نہ جئیں گے

○

حیات راس نہ آئے اجل بہانہ کرے
ترے بغیر بھی جینا پڑے خدا نہ کرے

میں روز مرتا ہوں اس انتظار کے صدقے
بُرا نہ مان اگر زندگی وفا نہ کرے

ہم ایک ہو گئے دو دِل میں کس طرح اللہ
یہی دُعا ہے کوئی تیسرا جُدا نہ کرے

منایا جشنِ شبِ غم کہ ایک دِن تو کٹ
جو تجھ سے چھُوٹ کے جیتا رہے وہ کیا نہ کرے

میں اپنی روشنیٔ طبع سے لرزتا ہوں
مرا جنوں مجھے منزل سے آشنا نہ کرے

میں کیا بتاؤں کہ قربت کا فاصلہ کیا ہے
کہ جیسے گھر تو بنائے کوئی رہا نہ کرے

○

زنجیرِ گُل و لالہ چُپکے سے ہلا دینا
اے بادِ بہار اپنی آمد کا پتا دینا

آساں بھی نہیں تیرا یوں دِل سے بُھلا دینا
اچھا بھی نہیں اتنا شعلوں کو ہوا دینا

پھر ٹھنڈی ہوا آئی پھر بُوئے وفا آئی
اے ضبط کہیں اپنا وعدہ نہ بُھلا دینا

تخصیص نہیں باقی اُس چشمِ عنایت کی
ہر ایک کے بس میں ہے اب دِل کو دُکھا دینا

یہ چشمِ تصوّر تو جینے ہی نہیں دیتی
آیا نہیں فُرقت کو دوری کی سزا دینا

ہم شاذ سے سیکھیں گے زخموں کی چمن بندی
کچھ دِل کو لہو کرنا کچھ پھول کھِلا دینا

▲

○

ہوسِ جلوہ نہیں ذوقِ تماشا بھی نہیں
کسی چہرے پہ ترے چہرے کا دھوکا بھی نہیں

غمگساری کی توقع نہ دِلاسے کی اُمید
کیا قیامت ہے کہ مَیں عشق میں رُسوا بھی نہیں

وہی مل بیٹھنا پہروں وہی احباب کی بزم
خود فریبی کا بھلا ہو کہ مَیں تنہا بھی نہیں

حُسن سر تا پا تغافل ہے روایت کے نثار
تجربہ اپنا یہ کہتا ہے کہ ایسا بھی نہیں

سامنا ہو تو وہی بوجھ سا جیسے دِل پر
تم سے مانا کہ کسی بات کا پردا بھی نہیں

آگے آگے کوئی مشعل سی لیئے چلتا تھا
ہائے اُس شخص کا کیا نام تھا پُوچھا بھی نہیں

صرف خلوت کی ہے شوخی کہ ابھی تک اُس نے
شاذؔ کہہ کر مجھے محفل میں پکارا بھی نہیں

▲

○

پھرتی ہے جنُوں کی رُت شاید آتی نہیں بُوئے پیراہن
کُچھ دِن سے نگاہوں میں تیری تصویر بدلتی جاتی ہے

○

دامان و آستیں کی ضیافت نہ کر سکے
ہم اہتمامِ گریۂ خلوت نہ کر سکے

دامن سے اپنے تم نے بجھایا چراغِ دل
تم وہ نہیں کہ مجھ پہ عنایت نہ کر سکے

تجھ سا ہجومِ دہر میں گو ڈھونڈتے رہے
جب تو ملا تو تجھ سے محبت نہ کر سکے

کچھ دسترس سے دور نہ تھا دامنِ حبیب
طے عمر بھر مگر یہ مسافت نہ کر سکے

شکرِ کرم پہ ختم ہوئی گفتگوئے شوق
اک رنج رہ گیا کہ شکایت نہ کر سکے

○

حیاتِ نَو بہ نَو کے ساتھ غم ملے نئے نئے
ہماری صُبح و شام کے ہیں سلسلے نئے نئے

شکستہ پا کی شرم رکھ لے اے غُبارِ کارواں
کہیں اُسے نہ دیکھ پائیں قافلے نئے نئے

جبینِ سجدہ جُستجوئے خوب تر میں مِٹ گئی
سُراغ تیرے نقشِ پا کے یُوں مِلے نئے نئے

ترا کرم کہ زندگی اُداس ہو کے رہ گئی
ہیں ورنہ شادمانیوں کے سلسلے نئے نئے

تمہیں خبر نہیں ہوئی چمن سے تم چلے گئے
پسِ بہارِ آرزو بھی گُل کھِلے نئے نئے

نفس نفس میں نشترِ فراق ٹُوٹتے گئے
قدم قدم پہ غمگسار بھی مِلے نئے نئے

ہمیں نشاطِ دید جیسے آج بار ہو گئی
نکل رہے ہیں قُربتوں میں فاصلے نئے نئے

اُٹھا تو آہ کب اُٹھا وہ حشرِ بازدید بھی
دہانِ زخمِ دِل تھے شاذؔ جب سِلے نئے نئے

▲

○

شب و روز جیسے ٹھہر گئے کوئی ناز ہے نہ نیاز ہے
ترے ہجر میں یہ پتہ چلا مری عُمر کتنی دراز ہے

○

شکرِ کرم بھی شکوۂ غم بھی، سارے عنواں آپ ہوئے
مجھ پہ توجہ آپ نے کی تھی، مجھ سے گریزاں آپ ہوئے

دستِ طلب کب مَیں نے بڑھایا کچھ نہ مِلا تو شکوہ کیا
کیوں میرے دامانِ تہی پر اِتنے پشیماں آپ ہوئے

خاکِ دشتِ وَفا تھی رُخ پر ورنہ کوئی بات نہ تھی
آئینہ اپنا دُھندلا پاکر کِتنے حیراں آپ ہوئے

اُف یہ تواضع، ہائے یہ خاطر کوئی بھلا کِس دِل سے کرے
عُمر تمام جہاں رہنا تھا اُس گھر مہماں آپ ہوئے

آپ کے دَم سے شاذ کا فن ہے حُسنِ بیاں ہے، رَنگِ سُخن ہے
نام ہمارا چَل نِکلا ہے صاحبِ دیواں آپ ہوئے

○

اے جنوں دشت میں دیوار کہاں سے لاؤں
میں تماشا سہی بازار کہاں سے لاؤں

یادِ ایّام کہ کچھ سر میں سمائی تھی ہوا
اب وہ ٹوٹا ہوا پندار کہاں سے لاؤں

کس سے پوچھوں کہ مرا حالِ پریشاں کیا ہے
تجھ کو اے آئینہ بردار کہاں سے لاؤں

میری ان آنکھوں نے جیسے تجھے دیکھا ہی نہیں
ہائے وہ حسرتِ دیدار کہاں سے لاؤں

اُن نگاہوں میں ترسنے کی سی کیفیت ہے
طاقتِ پُرسشِ بیمار کہاں سے لاؤں

اب مرے کُفر کو ایماں نہیں کہتا کوئی
تجھ کو اے چشمِ طرفدار کہاں سے لاؤں

تھا یہ گھر بابِ دُعا، مثلِ اَثر تیرا وُرود
اب تجھے اے قدمِ یار کہاں سے لاؤں

▲

○

آنکھ اور ہنستی رہے وقتِ وداعِ دوست پر
اِس وفورِ ضبطِ کامل کو کہاں تک روئیے

○

ہُنرِ شوق کو پھر درد میں ڈھل جانے دے
ضبطِ غم اُس کی طرف لے کے غزل جانے دے

اُن نگاہوں کا تقاضا بھی ہے اے گردشِ چرخ
مَیں بھی کہتا ہوں کہ اب مجھ کو سنبھل جانے دے

خاک ہو کر ترے کوچے سے اُٹھا ہے کوئی
اُس کو دعویٰ ہے بہلنے کا بہل جانے دے

منزلِ یاس ترے قول و قسم مان گئے
آج رُک جائیں گے لیکن ہمیں کل جانے دے

اب اگر ہل تو کچھ اس طرح ہل اے پیکرِ لُطف
قُرب و دُوری کی روایت کو بدل جانے دے

پھر مرا مہر مجھے ڈھونڈ نہ لے اے شبِ غم
صُبح سے پہلے کہیں دُور نکل جانے دے

مَیں گُنہ گارِ وفا دِل ہے جہنّم کا عذاب
رحم اے آہ نہ کر شاذ کو جَل جانے دے

○

جوہرِ چہرہ شناسی نہیں آئینہ میں ؔ
اپنی بھُولی ہوئی تصویر پہ رونا آیا

○

خارزاروں کا بھلا ہو، حوصلہ دینے لگے
آبلے منزل کی دُوری کو دُعا دینے لگے

مصلحت اندیشیِ ترکِ محبت ہائے ہائے
بُوالہوس بھی اب ہمیں درسِ وفا دینے لگے

کیا نکالی ہم نے ترکیبِ چمن بندیِ دہر
آدمی کو آدمی کا واسطہ دینے لگے

اب سنور جا کاکُلِ ہستی سنور جا، رحم کر
وقت کے ہاتھوں میں لمحے آئینہ دینے لگے

ہے تمہارے ہاتھ میزانِ کم و کیفِ حیات
تُم بھلا کیوں سانس لینے پر سزا دینے لگے

رفتہ رفتہ اُس کی باتیں دِل میں گھر کرتی گئیں
آخر آخر اُس کے قصّے دُکھ سوا دینے لگے

پھُول چُنتے چُنتے ہم بھی آنسوؤں تک آ گئے
وہ بھی پہلوئے طرب میں غم کو جا دینے لگے

یُوں ملے ہنس ہنس کے ہر اِک سے تمہارے بعد ہم
جیسے قتلِ آرزُو کا خُوں بہا دینے لگے

شاذؔ اب ارضِ دکن لَو دے اُٹھی ہے چل پڑو
کُوچہ ہائے شہر صحرا کا پتہ دینے لگے

○

راتیں نشیلی دن ہیں سہانے
حسن منائے عشق نہ مانے

تیز ہوا ہے لوٹ بھی جاؤ
کیوں آئے ہو دیپ جلانے

ہم نے آگ بہت پی لی ہے
گلشن میں شبنم کے بہانے

چاک نہ کرلیں جیبِ تصوّر
کب ہیں اپنے ہوش ٹھکانے

عشق و وفا کا بار بہت ہے
درد سے بوجھل حسن کے شانے

کیوں کھائیں گے عشق کا دھوکہ
ہم بھی سیانے تم بھی سیانے

کیسی مجھے جینے کی ہوس ہے
صبح نہ جانے شام نہ جانے

کس کس سے ہنس بول لیئے ہم
تنہائی کے ناز اُٹھانے

کل پھر شاید یوں نہ دکھے دل
وقت ہے رولے آج دوانے

کون کھڑا تھا جوئے ازل پر
اپنے لہو میں آپ نہانے

عمر کی رات آنکھوں میں کٹی ہے
جاگ رہا تھا کوئی سرہانے

نغمۂ نو پھر شاذ نے چھیڑا
جاگ اُٹھے پھر درد پرانے

○

قصّۂ شوق کے عنوانِ دلِ آرام کئی
مَیں نے کس پیار سے رکھے ہیں ترے نام کئی

ٹکٹکی باندھ کے بس دُور سے تکتے رہنا
وصل میں ملتے ہیں اب ہجر کے آلام کئی

عقدۂ جاں کو ہے اب تک ترے ناخن سے اُمید
کس کو معلوم ادھورے ہیں مرے کام کئی

دلِ زندہ سے ہے یہ گرمئ بازارِ حیات
سرِ سودا زدہ قائم ہے تو الزام کئی

وادیٔ سنگ سے انجان گزرنے والے
ناتراشیدہ رہے جاتے ہیں اصنام کئی

کچھ نہ کچھ کہتی تھی وہ آنکھ دمِ رخصتِ شوق
لے کے اٹھا ہوں کسی بزم سے اوہام کئی

جیسے ہر ایک دریچہ میں ترا چہرہ ہو
یوں مرے حال پہ ہنستے ہیں در و بام کئی

شاذؔ اب اُس کی خموشی کو دعا دینا ہے
جس نے بھیجے تھے مجھے نامہ و پیغام کئی

○

لوگ کیا جانیں مری خوئے اذیت طلبی
تجھ پہ تہمت ہے کہ تو نے مجھے برباد کیا

○

کس کس کو اب رونا ہوگا جانے کیا کیا بھول گیا
چشم و لب کا ذکر ہی کیا ہے میں تو سراپا بھول گیا

اُس نے تو شاید بادِ صبا سے نامۂ خوشبو بھیجا تھا
اُس کو خبر کیا مجھ کو چمن کا پتہ پتہ بھول گیا

شہرِ شب میں اپنی فقط اک نجمِ سحر سے یاری تھی
ہم کچھ ایسے سوئے وہ بھی رفتہ رفتہ بھول گیا

آبلہ پا ہوں، آپ اپنے ہی نقشِ قدم سے ڈرتا ہوں
تنہا تنہا پھرتے پھرتے اپنا سایہ بھول گیا

شاذ سے پوچھو او سودائی کس کی دھن میں پھرتا ہے
کس کی باتیں یاد آتی ہیں کس کا چہرہ بھول گیا

○

نکہتِ گُل ہو پرافشاں خلشِ خار کے ساتھ
چاہیئے صُلح کا انداز بھی پیکار کے ساتھ

زندگی یُوں بھی ہے دُشوار، نہ یاد آ، تجھ پر
سب عیاں ہے مری ناکامیٔ اظہار کے ساتھ

شہر میں بندشِ اربابِ خرد تھی ورنہ
ظُلم کر بیٹھتے دامانِ دلِ زار کے ساتھ

حافظہ آج بھی دہراتا ہے اُن راتوں کو
شمع رد پڑتی تھی جب صُبح کے آثار کے ساتھ

ہم سے پُوچھے کوئی فطرت کی عبادت کے مزے
جُھک گئے سجدے میں ہر شاخِ ثمر بار کے ساتھ

دلِ ناکام کے ارماں بھی بہت ہنس مُکھ تھے
چلو اچھا ہے گئے ایک مِلنسار کے ساتھ

تُم خدا بھی نہ تھے، پتّھر بھی نہ تھے، آنسو تھے
کب سے وابستہ ہو دامن کے ہر اِک تار کے ساتھ

اُس کے دامن کا خدا جانے کنارا ہے کہاں
جس نے انصاف کیا دیدۂ خُوں بار کے ساتھ

قفسِ رنگِ تمنّا کا کوئی بابؔ نہ تھا
زندگی کاٹ دی ہم نے در و دیوار کے ساتھ

○

دیارِ غیر میں شاید سنبھل گئے ہوتے
ہم ایک بار وطن سے نکل گئے ہوتے

کھلا یہ راز کہ ہم صورتِ جہنم حسین
چراغ ہوتے تو شب بھر میں جل گئے ہوتے

کہاں کا بارِ امانت اُٹھائے پھرتے ہیں
ازل کی صُبح کوئی چال چل گئے ہوتے

تمہاری خوئے وفا سے بھی ہے گلہ کیا کیا
زمانہ بدلا تھا تم بھی بدل گئے ہوتے

سُنا کہ ذکرِ وفا پر نکل پڑے آنسو
تم ان کی بزم میں اے شاذ کُھل گئے ہوتے

○

آہ دیکھی ہے اَثر جانا ہے — آج آئینہ سے ڈر جانا ہے

اُس حیا بخت کو کھلنا ہے ضرور — زُلف کو تا بہ کمر جانا ہے

زندگانی کا قرینہ مت پُوچھ — ہم نے دیوار کو در جانا ہے

آبلہ پائی کی یہ رسمِ عجیب — ایک اِک گام پہ ڈر جانا ہے

شہر سے قصدِ سفر ہے اپنا — تم پُکارو تو ٹھہر جانا ہے

یہ بھی دِن تھا مِری قسمت میں کہ آج — اپنی اُلفت سے مُکر جانا ہے

ایک ایسا بھی زمانہ گزُرا — ہم نے سوچا تھا کہ مر جانا ہے

سانس لیں زخم کا ٹانکا نہ کھُلے
ہم نے بس اِتنا ہنر جانا ہے

○

میری وحشت کا ترے شہر میں چرچا ہوگا
اب مجھے دیکھ کے شاید تجھے دھوکا ہوگا

صاف رستہ ہے چلے آؤ سوئے دیدۂ و دِل
عقل کی راہ سے آؤ گے تو پھیرا ہوگا

کون سمجھے گا بھلا حُسنِ گُریزاں کی ادا
میرے عیسیٰ نے مرا حال نہ پُوچھا ہوگا

وجہِ بے رنگیٔ ہر شام و سحر کیا ہوگی
مَیں نے شاید تجھے ہر رنگ میں دیکھا ہوگا

اب کہیں تُو ہی ڈبو دے ہمیں اے موجِ سراب
ورنہ پھر شکوۂ پایابیٔ دریا ہو گا

کوئی تدبیر بتا اے دلِ آزار پسند
اُس کو جی جاں سے بھلانے میں تو عرصہ ہو گا

حُسن کی خلوتِ سادہ بھی ہے صد بزم طراز
عشق محفل میں بھی ہو گا تو اکیلا ہو گا

جھٹپٹا چھایا ہے کون آیا ہے دروازے پر
دیکھنا شاذ کوئی صبح کا بھولا ہو گا

○

بے سجدہ نہیں گزرا بُت خانۂ عالم سے
کیا کہیے محبت میں کس درجہ ادب آیا

○

سنبھل اے قدم کہ یہ کارگاہِ نشاط و غم ہے خبر بھی ہے
جسے لوگ کہتے ہیں رہگذر کسی پاشکستہ کا گھر بھی ہے

مجھے مدتوں یہی وہم تھا کہ یہ خاک کیمیا بن گئی
اسی کشمکش میں گذر گئی کہ فغاں کروں تو اثر بھی ہے

ہمہ انکسار کی کیفیت، ہے دمِ وداع کی بے بسی
مجھے یوں پیامِ سکوں نہ دے تجھے اپنے آپ سے ڈر بھی ہے

مری جرأتوں پہ بھی کر نظر، تجھے چاہوں سو دفعہ ٹوٹ کر
یہ بجا کہ سینۂ شوق میں غمِ پاسبانیٔ در بھی ہے

تجھے آگہی کی نہیں خبر، مری گمرہی پہ نہ طنز کر
ارے وقت وقت کی بات ہے یہی عیب رشکِ ہنر بھی ہے

کوئی اس کا درد بھی پوچھتا کہ وہ کچھ دنوں سے اداس ہے
یہ جنوں کی پرسشِ حال کیا جو ازل سے خاک بسر بھی ہے

یہ ہے بے گناہی کا ماجرا، کوئی یونہی مجھ سے کھنچا رہا
یہی سوچ سوچ کے رہ گیا کہ مرے خدا کو خبر بھی ہے

تجھے کھو کے گو میں سنبھل گیا، یہ نہ کہہ کہ شاذ بدل گئے
پسِ پردہ تیری پناہ میں، مری شام بھی ہے سحر بھی ہے

▲

○

نے بادِ صبا ہے نہ نسیمِ سحری ہے
سو پردوں سے لیکن تری آواز سنی ہے

○

رنگ اُڑتا ہوا بکھرے ہوئے گیسو تیرے
ہائے وہ رات کے تھمتے نہ تھے آنسو تیرے

کیا خبر کون سی وادی میں ہے محمل تیرا
جانے کس دشت میں گم ہو گئے آہو تیرے

سازِ اقرار میں تھی نغمۂ انکار کی گونج
آنکھ جھکتی رہی کھنچتے رہے ابرو تیرے

زلف وابستہ نے کیا کیا نہ مچائیں دھومیں
جوشنِ گل سے جو باندھے گئے بازو تیرے

اَگلے وقتوں کی سی تہذیب کے پہناوے میں
پھر بھی کس طرح سے بول اُٹھتے ہیں جادو تیرے

کچھ بتا پیکرِ تقدیسِ حیا، صُبحِ اَزل
کن بہانوں سے تراشے گئے پہلو تیرے

ہم کہاں ڈھونڈنے جائیں تجھے اے تشنہ دہن
اب فقط نقشِ کفِ پا ہیں لبِ جُو تیرے

▲

○

ہائے یہ نامۂ گُل کس نے ہمیں بھیجا ہے
ہر کفِ برگ کی تحریر پہ رونا آیا

○

خود اپنا حال دلِ مُبتلا سے کچھ نہ کہا
دُعا سے ہاتھ اُٹھائے خُدا سے کچھ نہ کہا

کسے سُناؤں کہ ناساز ہے جُنوں کا مزاج
خود اپنے شہر کی آب و ہوا سے کچھ نہ کہا

یہ کس سے عشق ہوا کیوں ہُوا تعجب ہے
وہ خوف ہے کہ کسی آشنا سے کچھ نہ کہا

یہ ہوش ہے کہ گذر جائیگی پھُوار کی رُت
مگر یہ زعم کہ اُودی گھٹا سے کچھ نہ کہا

ترے خرام کو دیکھا بہ چشمِ حسرت و یاس
تمام عمر ترے نقشِ پا سے کچھ نہ کہا

کھُلے تو کیسے کھُلے رازِ عنفوانِ شبابؔ
حیا نے کیا ترے بندِ قبا سے کچھ نہ کہا

وہ کیا ادا تھی کہ لہلوٹ ہو گئے تم شاذؔ
غضب کیا، اُسی جانِ ادا سے کچھ نہ کہا

▲

○

سکونِ بے حسی نے آخرش سمجھا دیا ہم کو
اُداسی بھی بڑی توفیق تھی دردِ محبت میں

○

تم گلستاں سے نہ جاؤ یہ ستم ہے دیکھو
پھول کا واسطہ خوشبو کی قسم ہے دیکھو

پھر وہی ساعتِ دیدارِ نشاط آئی ہے
پھر وہی سلسلۂ رنج و الم ہے دیکھو

لاکھ بے مایہ سہی جنسِ گراں ٹھہرے گا
دِل بھی ٹوٹا ہوا پیمانۂ جم ہے دیکھو

دیدہ افروز رُخِ خندہ بلب دیکھا ہے
میری نمناک نگاہوں کا حرم ہے دیکھو

یاد آتا ہے سرِ جام کسی کا کہنا
تم نہ پینا مری آنکھوں کی قسم ہے دیکھو

یہی آدابِ تمنّا، یہی تہذیبِ وفا
ساعتِ وصل بھی شائستۂ غم ہے دیکھو

نامۂ ترکِ وفا اور یہ القاب اُس کا
کیا عبارت ہے یہ کیا حُسنِ رقم ہے دیکھو

یہ اُفق تا بہ اُفق ڈھونڈتے پھرتے ہو کسے
عرصۂ دہر بھی اِک نقشِ قدم ہے دیکھو

اب جو اِک ربط سا باقی ہے محبّت تو نہیں
یہ حقیقت میں محبّت کا بھرم ہے دیکھو

یہ جو کچھ نور سا چھنتا ہے کفِ بُت گر سے
میری محرابِ تخیّل کا صنم ہے دیکھو

کوئی صُورت مجھے دیدو کہ ترستا ہوں مَیں
میری تعمیر کی مِٹّی ابھی نَم ہے دیکھو

▲

○

خود فریبی کا تقاضا کیا تھا
آئینہ سے مرا جھگڑا کیا تھا

کیا دیا مجھ کو زمانے نے جواب
مَیں نے کیا جانیے پُوچھا کیا تھا

آگ روشن تھی سرِ خیمۂ دِل
رات ہنگامہ بپا تھا کیا تھا

لُو سے تپتے ہوئے صحراؤں میں
ایک ٹھہرا ہوا دریا کیا تھا

زہرِ صہبا تو نہیں تھا ساقی
زندگی کا مجھے ہوکا کیا تھا

یاد آئے تو یہ دامن تر ہو
یاد گر آتی تو رونا کیا تھا

سینۂ ساز میں پو پھٹتی تھی
آخرِ شب کا وہ نغما کیا تھا

صبحِ گل کا شبِ گیسو میں سماں
وہ اُجالا وہ اندھیرا کیا تھا

ایک تائید سی سر تا بہ قدم
صاف وعدہ تھا سراپا کیا تھا

ق

تجھ سے اے لالۂ صحرائے خیال
سوچتا ہوں مرا رشتا کیا تھا

روحیں ہمسایہ تھیں شاید اپنی
خود پہ ہمزاد کا دھوکا کیا تھا

اوّل اوّل وہ تکلّف وہ سلام
پسِ پردہ ترا جلوا کیا تھا

صرف آوازِ سنانے کی ادا

کون سمجھے گا دِلاسا کیا تھا

تو گرفتاریٔ خود بیں کیا تھی

وہ رسن وسال کا پہرا کیا تھا

نیند چبھتی تھی تری آنکھوں میں

شام سے صبح کا دھڑکا کیا تھا

اُف وہ لفظوں کا دُعا ہو جانا

ہائے وہ اگلا زمانا کیا تھا

وجہ آغازِ محبّت کیا تھی

سببِ رنجشِ بے جا کیا تھا

▲

○

وہ کامرانیاں وہ کھیل سب نصیب کے تھے
عجیب دَور تھا ہم منتظر رقیب کے تھے

مجھے خزاں سے ملی تھی نویدِ موسمِ گُل
جو برگِ خشک تھے نامے مِرے حبیب کے تھے

ہوس نے کر لیے تعمیر قصر ہائے وفا
مَیں کیا بتاؤں یہ ارماں کسی غریب کے تھے

تراش لی ہے گلستاں میں شاخِ نغمۂ نَو
بہت دِنوں سے تقاضے بھی عندلیب کے تھے

یہ اور بات کہ نظروں سے ہو گئے اوجھل
ہمارے فاصلے لیکن بہت قریب کے تھے

اُداس رات کڑے کوس عشقِ تنہا کے
وہ سنگِ میل سے راہوں میں سب صلیب کے تھے

○

اپنی اپنی شبِ تنہائی کی تنظیم کریں
چاندنی بانٹ لیں مہتاب کو تقسیم کریں

میں یہ کہتا ہوں کہ مجھ سا نہیں تنہا کوئی
آپ چاہیں تو مری بات میں ترمیم کریں

ابنِ آدم مجھے رُسوا سرِ بازار کرے
اور سرِ عرش فرشتے مری تعظیم کریں

بے غرض عشق ہے، یہ اہلِ جہاں کہتے ہیں
کچھ غرض مند بھی ہوتا ہے یہ تسلیم کریں

عشق اکیلا ہے تو کیا حسن بھی تنہا ہو گا
ہجر وہ درد نہیں ہے جسے تقسیم کریں

▲

○

ہم بھی ہشیار نہ تھے پیار بھی پاگل کی طرح
بات پھیلی ہے تِری آنکھ کے کاجل کی طرح

چارسُو سَیلِ ہَوا بھی ہے سنبھلنا بھی ہے
زِیست بھی ہے ترے اُڑتے ہوئے آنچل کی طرح

اپنے دَم سے ہے اُمنگوں کی صَلیب آرائی
سرِ سودا ہے چراغِ سَرِ مَقتل کی طرح

اپنی تقدیر میں فَردَا کا تصوّر ہی نہیں
ہم گُنہ گارِ حیات آج بھی ہیں کَل کی طرح

عُمر گھٹتی ہے کہ بڑھتی ہے ہمیں کیا معلوم
ہم جیئے جاتے ہیں اِک مرگِ مُسلسل کی طرح

رات سی رات ہے، برسات ہے، تنہائی ہے
کُوکتا ہے مرے دِل میں کوئی کوئل کی طرح

مَیں کہ با دیدۂ حسرت ہُوں سَرِ کشتِ وفا
ختمِ باراں کے گُزرتے ہُوئے بادل کی طرح

خندہ رُو بھی ہوں مگر زخم کے مانند اے شاذؔ
دِل بھی شاداب ہے لیکن کسی جنگل کی طرح

○

مہک سے جس کی مُعطّر ہے دِل وہ پھُول کہاں
کھٹک رہا ہے جو سینے میں خار بھی تو نہیں

○

پاسِ آداب سے یا حُسنِ مُروّت سے ملے
وہ کہاں ملتے ہیں وہ تو مری قسمت سے ملے

شادمانی سے رہ و رسم ہی کیا تھی پھر بھی
ہم ملے بھی تو ترے غم کی رعایت سے ملے

خبرِ وحشتِ جاں اوّل و آخر ہے زیاں
گھر کی وُسعت سے ہو یا دشت کی وسعت سے ملے

جی میں ہے حسرتِ اظہارِ بیاں کیا کیا کچھ
اے حیاتِ گُزراں تُو کہیں فرصت سے ملے

کوئی سوئی ہوئی شئے جیسے گنوا بیٹھے ہیں
آج اپنے سے ملے ہم تو ندامت سے ملے

شہر میں اب نہ کوئی دوست نہ دشمن اپنا
ہائے وہ لوگ کہ جن سے تری صورت سے ملے

چند لمحوں کی ملاقات کا کیا نام ہے شاذ
یعنی ہم روز ملے روز ہی حسرت سے ملے

▲

○

کیوں شمع سرِ رہگذرِ باد جلی ہے
یہ رسمِ وفا ہے تو اٹھا کیوں نہیں دیتے

○

کہیں بیٹھوں کہیں بہل جاؤں
کیا کروں کس طرف نکل جاؤں

وقت بدلا زمانہ بدلا ہے
ہائے مَیں کس طرح بدل جاؤں

اے نشیب و فرازِ راہِ وفا
تُو بتا، گر پڑوں، سنبھل جاؤں

کیسے کیسے کھلونے ٹُوٹ گئے
جن کو دیکھوں تو پھر مچل جاؤں

مَیں کہ ہوں رازِ آتشیں بہ کنار
مُنہ سے بولوں اگر تو جل جاؤں

دشتِ غُربت اگر سہارا دے
بخدا سَر کے بل جاؤں

○

دشت کیا شئے ہے، جنوں کیا ہے، دوانے کے لیئے
شہر کیا کم ہے مجھے خاک اُڑانے کے لیئے

ہم نے کیا جانیئے کیا سوچ کے گلشن چھوڑا
فصلِ گل دیر ہی کیا تھی ترے آنے کے لیئے

مَیں سرائے کے نگہباں کی طرح تنہا ہوں
ہائے وہ لوگ کہ جو آئے تھے جانے کے لیئے

ہم وہی سوختہ سامانِ ازل ہیں کہ جنہیں
زندگی دُور تک آئی تھی منانے کے لیئے

دِل کی محراب کو درکار ہے اِک شمع فقط
وہ جلانے کے لیئے ہو کہ بجھانے کے لیئے

تُو مری یاد سے غافل نہ تری یاد سے مَیں
ایک دَر پردَہ کشاکش ہے بھلانے کے لیئے

ضبطِ پیہم کے نشار، اے دلِ آزارِ طلب
شرطِ دامن بھی اُٹھا اشک بہانے کے لیئے

سُن مجھے غور سے سُن، نغمۂ ناپیدا ہوں
کوئی آمادہ نہیں ساز اُٹھانے کے لیئے

حرفِ ناگفتہ کی رُوداد لیئے پھرتے ہیں
پہلے کہتے تھے غزل اُن کو سُنانے کے لیئے

دِل کہ دریوزہ گرِ حرفِ تسلّی نہ رہا
ہم نے یہ رَسم اُٹھا دی ہے زمانے کے لیئے

سانس روکے ہوئے پھرتا ہوں بھرے شہر میں شاذ
اُس نے کیا راز دیا مجھ کو چھپانے کے لیئے

○

جانے والے تجھے کب دیکھ سکوں بارِ دگر
روشنی آنکھ کی بہہ جائے گی آنسو بن کر

تُو حصارِ در و دیوار لیئے جائے کدھر
میرا کیا ہے کہ میں ہوں دشت بہ دِل خانہ بہ سَر

کون جانے مری تنہائی پسندی کیا ہے
بس ترے ذکر کا اندیشہ ترے نام کا ڈر

یُوں بھی اشکوں کا دُھندلکا تھا سُجھائی نہ دیا
کِس نے لُوٹا دمِ رُخصت سر و سامانِ سَفر

کِس نے دیکھا ہے مرا شہرِ خموشانِ حیات
دِل کی وادی سے گزرنا ہے تو آہستہ گذر

رو رہا ہوں کہ ترے ساتھ ہنسا تھا برسوں
ہنس رہا ہوں کہ کوئی دیکھ نہ لے دیدۂ تر

یہ مری زخم نصیبی یہ تری حیرانی
مَیں نے تیرے ہی اشارہ پہ توڑالی تھی سپر

ٹُوٹ جائے گا نشہ دیکھ کوئی نام نہ لے
آنکھ بھر آئے گی اس طرح مرا جام نہ بھر

کوئی گُم گشتہ ہر آغازِ سفر سے پہلے
چُوم لیتا ہے تری یاد کا بھاری پتھر

مَیں نے ہر رات یہی سوچ کے آنسو پونچھے
مُنہ دکھانا بھی ہے دُنیا کو بہ ہنگامِ سحر

شاذ کو صبر عطا کر کے بڑا کام کیا
اُس نے کیا مانگا تھا، کیا پایا ہے اے ربِّ ہُنر

▲

○

وعدہ و قول و قسم نے مجھے جینے نہ دیا
کیا ستم ہے کہ کرم نے مجھے جینے نہ دیا

دل تو آمادۂ غم تھا بہ ایں بربادیٔ جاں
مگر اندازۂ غم نے مجھے جینے نہ دیا

نازبردارِ سوالِ دلِ پُرخوں نہ ملا
کاسۂ دیدۂ نم نے مجھے جینے نہ دیا

تُو جفا پیشہ ہے کس مُنہ سے کہوں دُنیا سے
اپنی چاہت کے بھرم نے مجھے جینے نہ دیا

ایک نادیدہ خُدا نے مِرے نالے نہ سُنے
ایک پتّھر کے صَنم نے مجُھے جینے نہ دیا

ایک سایہ کا کرم ہے تپشِ جاں پہ ہنوز
ایک دیوار کے خَم نے مجھے جینے نہ دیا

شعر لکھتا ہُوں کہ تقدیرِ تمنّا اے شاذؔ
ہُنرِ لَوح و قلم نے مجھے جینے نہ دیا

▲

○

یہ زندگی عجیب ہے اب تجُھ سے کیا کہیں
سَچ ہے تِرا خیال کبھی تھا کبھی نہ تھا

○

جس طرف جاؤں اُدھر عالمِ تنہائی ہے
جتنا چاہا تھا تجھے اتنی سزا پائی ہے

مَیں جسے دیکھنا چاہوں وہ نظر آ نہ سکے
ہائے اِن آنکھوں پہ کیوں تہمتِ بینائی ہے

بارہا سر کشی و کج کُلہی کے باوصف
تیرے دَر پر مجھے دریوزہ گری لائی ہے

صدمۂ ہجر میں تُو بھی ہے برابر کا شریک
یہ الگ بات تجھے تابِ شکیبائی ہے

بھولنے والے نے شاید یہ نہ سوچا ہوگا
ایک دو دن نہیں برسوں کی شناسائی ہے

جامِ خوش رنگ تہی ہے، مجھے معلوم نہ تھا
اپنی ٹوٹی ہوئی توبہ پہ ہنسی آئی ہے

یہ توجہ بھی تری حُسنِ گُریزاں کی طرح
یہ تغافل بھی بڑی حوصلہ افزائی ہے

تیرا لہجہ ہے کہ سنّاٹے نے آنکھیں کھولیں
تیری آواز کلیدِ درِ تنہائی ہے

شاذؔ پوچھو کہ یہ آنکھوں کا دھندلکا کب تک
رات آئی نہیں یا نیند نہیں آئی ہے

▲

○

شمع کو نذرِ سرِ باد کہاں کرتا ہوں
یہ ترا دردہے برباد کہاں کرتا ہوں

زیرِ محرابِ فلک دستِ دُعا ٹوٹ گئے
میرے اللہ میں فریاد کہاں کرتا ہوں

تُو وہ مجبُور، تری آہ پہ پابندی ہے
مَیں وہ محرُوم، تجھے یاد کہاں کرتا ہوں

خانۂ دِل ہے، کوئی خانۂ کعبہ تو نہیں
اپنا گھر ہے مگر آباد کہاں کرتا ہوں

یُوں بھی رہتی ہے مجھے خاطرِ احباب عزیز
آپ ناشاد ہوں، ناشاد کہاں کرتا ہوں

سُننا پڑتا ہے مجھے ہوش و جُنوں کا جھگڑا
ایک زنجیر ہے آزاد کہاں کرتا ہوں

رنگ لایا مرا بے برگ و نوا ہو جانا
اتنا آسان نہ تھا اُس کا خُدا ہو جانا

کون آوازِ جرس بن کے رہا محملِ ناز
کس کی قسمت میں ہے صحرا کی صدا ہو جانا

حشر تک بے گنہی ناز کرے گی مجھ پر
وہ مرا تیری نگاہوں میں بُرا ہو جانا

مجھ پہ وہ وقت پڑا ہے کہ شکایت کیسی
تجھ کو لازم تھا بہرحال خفا ہو جانا

میری تقدیر پہ تہمت ہی اُٹھائی جاتی
تجھ کو زیبا نہ تھا یُوں خُود سے جُدا ہو جانا

آج تک یاد ہے کیفیتِ جاں تیرے حُضور
سَر سے پا تک وہ مرا دستِ دُعا ہو جانا

شاذ کانپ اُٹھے مرے ترکِ محبت کے قدم
وہ کسی پُرسشِ پنہاں کا بَلا ہو جانا

▲

○

بُت ساز نہیں ہوں میں خُدا ساز ہُوں شاید
وہ آگ جو سینے میں ہے پتّھر میں نہیں ہے

○

کام آساں ہو تو دشوار بنا لیتا ہُوں
راہ چلتا ہُوں تو دیوار بنا لیتا ہُوں

جادۂ شوق کو وِیراں نہیں ہونے دیتا
روز نقشِ قدمِ یار بنا لیتا ہوں

یُوں کہ لہجے سے نُمایاں نہ ہو حسرت کوئی
ایک پیرایۂ اظہار بنا لیتا ہوں

وہی تصویر جسے مَیں نے بنایا سو بار
وہی تصویر پھر اِک بار بنا لیتا ہوں

اے خوشی غم کی کسوٹی پہ پرکھ لوں تجھ کو
اے وفا، آ، تجھے معیار بنا لیتا ہوں

ہائے وہ لوگ جنھیں گنتا تھا بیگانوں میں
آج ملتے ہیں تو غمخوار بنا لیتا ہوں

شاذ گردشِ گہِ افلاکِ تمنا مت پوچھ
نو بہ نو ثابت و سیار بنا لیتا ہوں

○

نہ جانے کیوں طبیعت ہو گئی اپنوں سے بیگانہ
ترے غم کی بدولت بے نیازی بڑھ گئی اپنی

غضب ہے یاد تری یوں خراب حال نہ کر
میں تجھ کو بھولنا چاہوں تو کچھ خیال نہ کر

کدھر چلا ہے دلِ سادہ لوح، سنتا جا
کہ وہ مزاج نہیں دیکھ عرضِ حال نہ کر

ہزار کھیل ہیں اک طفلِ آرزو کے لیے
کھلونے ٹوٹ ہی جاتے ہیں یوں ملال نہ کر

اگر ملیں تو یہی شرطِ دید ٹھہرے گی
کہ میں جواب نہ دوں تو کوئی سوال نہ کر

میں آئینہ ترے اجڑے ہوئے سنگھار کا تھا
تو میرے واسطے آرائشِ جمال نہ کر

بُجھے بُجھے نہ بُجھے آگ کا بھروسہ کیا
غمِ فراق کو پابندِ ماہ و سال نہ کر

خُدا کرے کہ تُجھے منزلِ مُراد مِلے
کِسی کا نقشِ کفِ پَا ہُوں پائمال نہ کر

تُو اپنے دردِ مُحبّت کی دے مثال مُجھے
تُو میرے دَردِ مُحبّت کو بے مثال نہ کر

کِسی کی دِید بھی ہے شاذؔ ایک حسرتِ دید
غمِ فراق بہ اَندازۂ وصال نہ کر

▲

○

خُدا کے واسطے اِس درجہ بے رُخی نہ بَرت
مَیں ڈر رہا ہُوں جو از کرم مِلے نہ مِلے

○

منظر دُھواں دُھواں ہے طبیعت اُداس ہے
اِک کم سُخن نظرؔ دمِ رُخصت اُداس ہے

سنّاٹا رو رہا ہے فرشتے کی موتؔ پر
اللہ رے سکوت کہ جنّت اُداس ہے

آجائے راس وصل، خدا ساز بات ہے
کم لوگ جانتے ہیں مسرّت اُداس ہے

بچھڑے ہوئے ملے ہیں سرِ راہ اتفاق
شاداں ہیں حُسن و عشق، محبّت اُداس ہے

مجھ کو ملا ہے شاذؔ، پیامِ نسیمِ صبح
اُس کی قبائے ناز کی نکہت اُداس ہے

○

ایک دُنیا کی سُنا کرتا ہُوں، چُپ رہتا ہُوں
تُو مَنائے گا تو مَن جاؤں گا سَچ کہتا ہُوں

اب وہ جھونکے بھی نہیں، اب وہ سفینے بھی نہیں
ایک ٹھہرا ہوا دَریا ہوں، کہاں بہتا ہوں

خود فراموش ہُوں مَیں، زود فراموش نہیں
مُجھ سے مَت کہنا کہ مَیں ہجر کا غم سَہتا ہُوں

جس طرف جاؤں ہر اِک سَمت سے آتی ہے صَدا
کوئی رہنے نہیں دیتا ہے جہاں رہتا ہُوں

اب یہ عَالم ہے کہ صُورت ہی نظر آ جائے
وہ محبّت بھی کرے شاذ یہ کب کہتا ہُوں ▲

○

وہ کون ہے جس کی وحشت پر سنتے ہیں کہ جنگل روتا ہے
ویرانے میں اکثر رات گئے اک شخص ہے پاگل روتا ہے

پھر سن سے کہیں پروائی چلی، کھلتے نہیں دیکھی دل کی کلی
یہ جھوٹ ہے برکھا ہوتی ہے، یہ سچ ہے کہ بادل روتا ہے

ہے اس کا سراپا دیدۂ تر، دنیا کو مگر کیا اس کی خبر
سب کے لیے آنکھیں ہنستی ہیں میرے لیے کاجل روتا ہے

وہ کس کے لیے سنگھار کرے چندن سا بدن یوں روپ بھرے
جب مانگ جھکا جھک ہوتی ہے آئینہ جھلا جھل روتا ہے

بنتی نہیں دل سے شاذ اپنی یہ دوست ہے یا دشمن کوئی
ہم ہیں کہ مسلسل ہنستے ہیں وہ ہے کہ مسلسل روتا ہے

○

وقت بے رحم ہے لمحوں کو کچل جائے گا
دن کو روکو کہ مہینوں میں بدل جائے گا

پھر چلیں ایک گُل اندام کم آمیز کے پاس
دل میں کانٹا ہو کہ ارمان نکل جائے گا

تُو کہاں جائے کہ آئینہ ترا دشمن ہے
دلِ دیوانہ سرِ راہ بہل جائے گا

اپنے شانوں پہ لیے نکہتِ برباد تری
ہائے وہ قافلۂ گُل کہ جو کل جائے گا

کیا خبر آرزوئے رنجشِ بے جا کیا ہے
کُھل کے ملنا بھی تراشاؔذ کو کھل جائے گا

○

کیا خبر تھی کہ ترے بعد یہ دن آئیں گے
آپ ہی رُوٹھیں گے ہم آپ ہی مَن جائیں گے

زندگی ہے تو بہر حال گذر جائے گی
دِل کو سمجھایا تھا کل، آج بھی سمجھائیں گے

صبح پھر ہوگی، کوئی حادثہ یاد آئے گا
شام پھر آئے گی، پھر شام سے گھبرائیں گے

اب یہ سوچا ہے ترے کُوچے سے آتے آتے
اپنے سب نقشِ قدم ساتھ اُٹھا لائیں گے

کوئی بتلائے کہ تعبیریں کہاں ملتی ہیں
شاذؔ کچھ خواب ہیں، بازار میں دِکھلائیں گے

▲

○

سحر و شام مری دُور کی آہٹ جیسے
بسترِ خواب پہ جاگی ہُوئی کروٹ جیسے

اِک تصنّع ہے کہ سب جیتے ہیں جی لینا ہے
زندگی تیرے بغیر ایک بناوٹ جیسے

تُو اسی طرح زسر تا بقدم میرا ہے
شاطرِ سرکش و ناکام کی اِک ہٹ جیسے

تیری پلکیں ہیں کہ جس طرح سپر ڈالے کوئی
تیری آنکھیں ہیں تری پیاس کا پنگھٹ جیسے

اُنگلیاں کانپتی ہیں، چٹکیاں جل اُٹھتی ہیں
آج تک حُسن کے چہرے پہ ہو گھونگھٹ جیسے

کس کو معلوم تھا ناموسِ جبیں کا انجام
ایک دُنیا ہوئی مجھ کو تری چوکھٹ جیسے

روشنی چھنتی ہوئی اُس کے کاشانے سے
کوئی بھُولے سے کھُلا چھوڑ گیا پَٹ جیسے

شاذؔ نغموں پہ شبِ وصل کا نُور اُترا ہے
اُس کی پیشانی پہ بالوں کی کوئی لَٹ جیسے

○

جو ہونٹ پئے پُرسش نہ کھُلے، کہتے ہیں کہ اب ہیں صرفِ دُعا
جو آنکھ مری جانب نہ اُٹھی وہ آنکھ سُنا نمناک بھی ہے

○

وہ نیاز و ناز کے مرحلے نگہ و سخن سے چلے گئے
ترے رنگ و بُو کے وہ قافلے ترے پیرہن سے چلے گئے

کوئی آس ہے نہ ہراس ہے شبِ ماہ کتنی اُداس ہے
وہ جو رنگ رنگ کے عکس تھے وہ کرن کرن سے چلے گئے

کوئی اُن کی آنکھیں سراہتا، کوئی وحشتوں سے نباہتا
کہ وہ آہوانِ رمیدہ خُو یہ سُنا ختن ؔ سے چلے گئے

کئی مہر و مہ اُتر آئے تھے وہ یہیں تھے میرے گھر آئے تھے
وہ کلی کلی سے در آئے تھے وہ چمن چمن ؔ سے چلے گئے

میرے دل کی آب و ہوا لگی کہ وفا بھی ان کو خطا لگی
وہی سادگی سے جو آئے تھے وہی بانکپن سے چلے گئے

نہ تو کفر کے نہ خدا کے ہم، نہ دوا کے ہم نہ دعا کے ہم
کہ بتانِ کعبہ آرزو دلِ برہمن سے چلے گئے

یہ مرا فریبِ نظر نہیں، مرے ہم قدم تھے یہیں کہیں
مجھے آہٹیں بھی نہ مل سکیں وہ بڑے جتن سے چلے گئے

یہ بجا کہ تحفۂ جاں لیے، ترے پاس آئے تھے بے پیے
وہ گداگرانِ تہی سبو ترے حسنِ ظن سے چلے گئے

یہی تجھ سے اپنا تھا واسطہ، یہی تھی حیاتِ معاشقہ
تری خلوتوں کے شریک تھے، تری انجمن سے چلے گئے

پسِ عمر بادۂ شوق پر، سرِ ناز تھا تو ہوئی خبر
کئی رت جگے ترے گیسوؤں کی شکن شکن سے چلے گئے

وہ مجھے تجھے وہ لٹے لٹے، سرِ راہ شاذ ملے تو تھے
انھیں اب وطن میں نہ ڈھونڈیے کہ وہ اب وطن سے چلے گئے

▲

سُخن، رازِ نشاط و غم کا پردہ ہو ہی جاتا ہے
غزل کہہ لیں تو جی کا بوجھ ہلکا ہو ہی جاتا ہے

وہ عالم جب کسی مایوس کا ہوتا نہیں کوئی
تجھے معلوم بھی ہے تو کسی کا ہو ہی جاتا ہے

کیا ہے مَیں نے اظہارِ تمنّا جانے کس کس سے
مجھے اکثر تری صورت کا دھوکا ہو ہی جاتا ہے

ہجومِ آرزو ہمراہِ جان و دل سہی؛ لیکن
قریبِ کوئے جاناں کوئی تنہا ہو ہی جاتا ہے

ہمیں تو عمر بھر کا غم کہ ایسا کیوں ہوا ہو گا
ہمیں اب کون سمجھائے کہ ایسا ہو ہی جاتا ہے

کوئی تجھ سا نہیں ہے انجمن در انجمن دیکھا
مگر تنہائیوں میں کوئی تجھ سا ہو ہی جاتا ہے

نہ رو یوں شاذؔ آنکھیں جو دکھائیں دیکھتے جاؤ
نہ اِتنا غم کرو یہ دِل ہے صحرا ہو ہی جاتا ہے

سلام خوشنویس
جون ۱۹۶۶ء